مولانا مودودی
اور
مودودیت
از
حسیب الدین
شائع کردہ
ادارۂ اہلِ قلم پاکستان
نیو ٹاؤن کراچی

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

مولانا مودودی

اور

مودودیت

از

حبیب الدین

شائع کردہ

ادارہ اہلِ قلم پاکستان

نیو ٹاؤن کراچی ۵

بار اوّل .... فروری ۱۹۶۴ء

تعداد طبع .... دو ہزار

مطبوعہ .... ضیاء برقی پریس آرام باغ کراچی

کتابت .... ثناء اللہ، ذکاء اللہ پٹیل پاڑہ کراچی

مؤلف .... محترم حسیب الدین صاحب
آدم جی اسٹریٹ راولپنڈی۔

قیمت دو روپے

ادارۂ اہلِ قلم پاکستان
نیو ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

وزیر امور داخلہ جناب خان حبیب اللہ خاں صاحب
نے جس جرأت و تدبّر سے بروقت مولانا مودودی اور
ان کی جماعت کی ذہنیت اور صورتِ حال کو عوام پر
بے نقاب کیا ہے
اس کے پیشِ نظر ہم اس تالیف کو انہی کے نامِ نامی اسمِ گرامی
سے معنون کرتے ہیں۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

مندرجات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

گذشتہ نومبر اور دسمبر میں پاکستان کے وزیر امور داخلہ خان حبیب اللہ خان صاحب نے مولانا مودودی اور اُن کی جماعتِ اسلامی پر جو الزامات لگائے اور ان الزامات کی تائید میں مولانا کی تحریروں کے جو حوالے پیش کئے اس سلسلہ میں جماعتِ اسلامی نے اپنی اور مولانا کی برات کے لئے پاکستان کے متعدد اخبارات میں یہ اپیل شائع کروائی کہ "آپ خود کتابوں کا مطالعہ فرمائیں اور اندازہ لگائیں۔ کہ عبارتوں کو الگ کرکے جو معانی و مطالب نکالے گئے ہیں، ان کا اصل مفہوم سے کتنا تعلق ہے۔ اور مندرجہ ذیل کتابوں کے مطالعہ کی سفارش کی گئی۔

سیاسی کشمکش (تین حصوں میں)

ماضی قریب کا جائزہ

حقیقت جہاد

خطبات

مسئلہ قومیت

وزیر داخلہ کے الزامات اور ان کی حقیقت

جماعتِ اسلامی کا مقصد تاریخ اور لائحہ عمل

جماعتِ اسلامی اور خارجہ پالیسی

دستور جماعت اسلامی

منشور جماعت اسلامی

ترجمان القرآن مئی ۱۹۵۵ء

معقولیت پسند طبقے کے لئے یہ دعوت یقیناً معنی خیز تھی، فی الواقعہ وزیر
امورِ داخلہ کے چونکا دینے والے الزامات اوران کے تائیدی اقتباسات کو خود اُنہی
کے ماخذ رد کرتے ہوں، تو اس سے زیادہ مولانا مودودی اور ان کی جماعت کے
حق میں کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ہم نے اِن تمام کتابوں کو پوری ناقدانہ ذمہ داری
اور دقتِ نظر سے پڑھا۔ اور اس کا حاصل محض اس لئے پیش کیا جارہا ہے کہ وہ
حضرات جو خود اس کاوش وتجسّس کے لئے تیار نہ ہوں، ہماری اس عرق ریزی
سے استفادہ کریں؟ اور جان لیں کہ مولانا مودودی نے اللہ اور اُس کے دین پر کیسے
کیسے بہتان باندھے، قرآن حکیم کی آیات کو اپنے اغراض کے لئے کس طرح توڑا موڑا
قائدِ اعظمؒ اور مسلم لیگ کے دوسرے عمائدین کو مسلمانوں کی نظروں سے گرانے کے
لئے کیسے رکیک حملے اور نظریہ پاکستان پر کتنے اوچھے وار کئے، اور جب اُنکی آرزوؤں
کے خلاف پاکستان وجود میں آگیا تو اس کی تخریب کے درپے ہوکر انھوں نے
پریشانِ حال مہاجرین کو حکومت کے خلاف کس کس طرح اُکسایا۔ انکی تحریروں
اور تقریروں سے حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کے جذبۂ ملّی
سے اپنے اقتدار کا ایوان تعمیر کرنا چاہا۔ اُن کی ہوس اقتدار کو گذشتہ تئیس برس
میں کسی جماعت کسی حکومت اور کسی فرد میں آج تک کوئی قابلِ قدر بات دکھائی
نہیں دی، انھوں نے ہر مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج اور ہر عالمِ دین کو دین
سے بے بہرہ ٹھہرایا۔ انھیں قرآن حکیم کے آئینے میں اگر کوئی چہرہ نظر آیا جس میں
کوئی نقص نہ تھا تو وہ اُن کا اپنا چہرہ تھا۔ یہاں تک کہ انھوں نے سرکار دو عالم
رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذاتِ اطہر واقدس میں بھی "ناکامی" کا داغ تلاش کرلیا۔ نعوذ باللہ من ذالک
ان کتابوں کے مطالعہ کے بعد ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر قول و

فعل کے تضاد کا نام منافقت ہے تو مولانا مودودی منافق ہیں اگر پاکستان کے
قیام کے بعد اس کی تخریب اور اس کے عوام میں انتشار پھیلانے کا نام بغاوت ہے
تو وہ باغی ہیں، اگر اسلام اور قرآن کے بنیادی احکامات کو اپنے تصورات کے
تابع کرنا کفر ہے تو وہ کافر ہیں — کہ یہ کتابیں انہی حقائق کا انکشاف کرتی ہیں،
ہم نے نہایت دیانتداری اور خلوص سے ان کتابوں کو اوّل تا آخر پڑھا ——
ترجمان القرآن کی جو جلدیں ہمیں مل سکیں، ان کا غائر مطالعہ کیا، اور اسی نتیجہ پر
پہنچے، کہ مولانا کو پاکستان "ناپاکستان" نظر آتا ہے انھیں تمام علمائے کرام اور
مفتیانِ دینِ مُبین کی فہم و فراست پر شبہ ہے انھیں نام کے مسلمانوں میں کافرانہ
ادائیں، اور لادینی تصوّرات کارفرما نظر آتے ہیں۔ اور اس کی ایک ہی وجہ ہے،
کہ انھوں نے قرآنِ حکیم اور اسلام کو محض اپنے مفاد کے لئے آلۂ کار بنانے کی سعی
کی ہے — انھوں نے علمِ دین کو جس زاویے سے حاصل کیا، وہ ایسی کسوٹی بن گیا
جس پر صرف مولانا مودودی کی اپنی ذات پوری اُترتی ہے۔ وہ اسلام کی خیریت
اسی میں دیکھتے ہیں کہ انھیں ملوکیت مل جائے، ملک کی زمامِ اختیار اُن کے
ہاتھوں میں ہو اور وہ اُن عناصر کا جو اُن کے معیارِ اسلام پر پورے نہ اُتریں خاتمہ
کردیں چنانچہ حصول اقتدار کی اس ہوس کو پورا کرنے کے لئے انھوں نے اسلام کے
نام پر پورے ملک میں انتشار برپا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ بقول شاعرِ مشرقؒ

چیست تقدیرِ ملوکیت؟ شقاق
محکمی جُستن ز تدبیرِ نفاق

انھوں نے گذشتہ تئیس سال میں نفاق اور انتشار کے جو بیج اس سرزمین
میں بوئے اس کے نتائج اب ان کے سامنے آرہے ہیں۔
عوام اُن سے پوچھتے ہیں ۱۹۴۱ء میں آپ نے جماعت اسلامی قائم کی تھی،

آج تک اس جماعت نے چرمِ قربانی و ذکواۃ کے ناجائز مصرف سے چند گشتی شفاخانوں کے علاوہ کونسا مثبت اقدام کیا۔ اسلام کی شیرازہ بندی اور مسلمانوں کی جمیعت کے لئے کونسی تدبیر کی؟ کیا پاکستان کے قیام کے لئے کفار کی ناپاک سازشوں کا شکار ہونے والے آپ کی نظر میں شہید تھے ــــ کیا آپ نے اُن شہدا کے پسماندگان کے زخموں پر پھایا رکھا ہے۔ کیا آپ نے ۱۹۴۷ء کے مہاجرین کو درسِ حرّیت دیا، اُنھیں نو مولود مملکتِ پاکستان کا وفادار رہنے اور اپنے ایثار و قربانی پر ناز کرنے کی تلقین کی۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ اس کے برعکس اُن کی مظلومیت کا اشتہار دے کر انھیں تخریبی کارروائیوں پر اُکسایا اور پاکستان کے نظامِ کو درہم و برہم کرنے کو اسلام کی سب سے بڑی خدمت قرار دیا ــــ ہم نے ان تمام باتوں کا جائزہ لیا ہے، اور ایک دردِ دل رکھنے والے مسلمان، ایک محبِّ وطن پاکستانی اور ایک حسّاس انسان کی حیثیت سے مولانا مودودی اور اُن کی جماعت کو انصاف کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ شاعرِ مشرق کے یہ شعر اُن کے حق میں حرف بہ حرف صادق آتے ہیں ؎

دینِ حق از کافری رُسوا تر است ۔ زانکہ ملّا مومنِ کافر گر است
شبنمِ ما در نگاہِ ما یم است ۔ از نگاہِ او یمِ ما شبنم است
از شگرفیہائے آں قرآں فروش ۔ دیدہ ام روح الامیں را در خروش!
زانسوئے گردوں دلش بیگانہ ۔ نزدِ او ام الکتاب افسانۂ
بے نصیب از حکمتِ دینِ نبیؐ ۔ آسمانش تیرہ از بے کوکبی!
کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد ۔ ملّت از قال و اقولش فرد فرد!
مکتب و ملّا و اسرارِ کتاب ۔ کورِ مادر زاد و نورِ آفتاب!

دینِ کافر فکر و تدبیرِ جہاد
دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد!

ہم آپ کی توجہ ایک اور حقیقت کی طرف مبذول کرانا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس جائزے میں مسئلہ کشمیر سے متعلق اس نزاعی بیان کو نہیں لیا، جس سے مودودی صاحب انکاری ہیں، بلکہ اس کے علاوہ بھی کسی ایسے بیان یا تحریر کو اہمیت نہیں دی جس کی صحت پر شبہ کیا جا سکے۔ اس کتاب میں جتنے اقتباسات ہیں وہ صرف مولانا اور اُن کے رفقا کی اپنی تحریروں سے لئے گئے ہیں اور ہمارا دعویٰ ہے کہ کوئی شخص ان اقتباسات کو غلط، یا بے بنیاد قرار نہیں دے سکتا۔

ہم نے اپنے جائزے میں وزیرِ امورِ داخلہ کے الزامات کا احاطہ کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا، مبادا ہم پر طرفداری اور ہم نظری کا الزام لگا کر مودودی صاحب اور اُن کی جماعت اپنی برأت کا پہلو نکال لے۔ اہلِ نظر دیکھیں گے کہ ہم نے گذشتہ ایک صدی کے جائزے کی روشنی میں ملک اور قوم کے مؤقف اور اس کے خلاف مودودی صاحب کے رویّے کو جس طرح واضح کیا ہے، اس میں بغض للّٰہی کے بجائے جو صداقت جھلکتی ہے۔ وہ اتنی بدیہی اور کھُلی ہے، جس سے جہالت و تنگ نظری ہی قطع نظر کر سکتی ہے۔

اس تصنیف سے ہمارا ایک ہی مقصد ہے کہ برادرانِ اسلام اور اہلِ وطن کو اس فتنے سے خبردار کر دیں جو مودودیت کے پردے میں پروان چڑھ رہا ہے ــ اور ہم حکومت سے بھی التماس کریں گے کہ اس کی بیخ کنی کر کے مسلمانانِ پاکستان کے ایمان کو محفوظ کر لے، اور عنداللہ ماجور ہو ــ ہاں اگر اس کے مطالعہ سے مولانا اور اُن کے ہمنوا اپنے طرزِ عمل اور فکر و نظر سے تائب

ہوکر صحیح راستے پر گامزن ہونے کا عہد کریں، تو ہم سمجھیں گے کہ اللہ کریم کی توفیق سے ہم بھی سرخرو ہوئے اور ہمارے گمراہ بھائی بھی راہِ راست پر آئے۔ وہ اقتدار کی ہوس میں خود فریبی کو علمِ دین کا نام دے کر دوسروں کی دین و دنیا بھی خراب کر رہے ہیں۔ کاش وہ غور کر سکیں ان کا جادۂ عمل حسن عقل و فکر کا تراشیدہ ہے وہ عقل عیّار ہے، سو بھیس بدل لیتی ہے۔ کاش وہ خود فریبی سے نکل کر ملک و ملّت کی خدمت کو اپنا شعار بنائیں اور اپنی صلاحیتوں کو اس کی تعمیر میں لگا کر دین و دنیا کی سربلندی حاصل کریں کہ

طبعِ روشن مردِ حق را آبروست
خدمتِ خلقِ خدا مقصودِ اوست
خدمت از رسم و رہ پیغمبری است
مردِ خدمت خواستن سوداگری است

(اقبال)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد

انقلاب ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد برصغیر ہند میں مسلمانوں پر جو بیتی وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں مسلمان سیاسی طور پر مظلوم معاشی اور کاروباری لحاظ سے معذور، معاشرتی اور سماجی اعتبار سے اچھوت بن کر رہ گئے۔ انگریز کی شاطرانہ چالوں نے ان کے سر سے حکومت کا خمار زائل کرنے کے لئے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کئے، ملک کی ہندو اکثریت جو اپنی سالہا سال کی غلامی کا انتقام لینے کے لئے بے تاب تھی اس موقع کو غنیمت جان کر حکمراں کی معاون و مددگار بن گئی اور اس نے مسلمانوں کو ہر طرح کچل دینے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ چنانچہ تعلیمی پسماندگی۔ مادی وسائل سے محرومی اور حالات کی ناسازگاری عام طور پر مسلمانوں کی تباہی کا موجب بن گئی۔ جن مسلمانوں کو کسی نہ کسی طرح تھوڑا سا نام نہاد اقتدار حاصل تھا وہ ہندو اور انگریز حکمرانوں کے اشاروں پر ناچنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف مسلمانوں کے عقائد و نظریات میں ہندوانہ رسم و رواج جاگزیں ہو گئے بلکہ بہ حیثیت ہندوؤں کی برتری اور بالادستی کے زیرِ اثر خود مسلمان اپنی نگاہوں میں گر گئے یہ ایک خطرناک صورتِ حال تھی جو رونما ہو چکی تھی، یہ ایک کٹھن وقت تھا جس سے مسلم قوم دوچار

تھی کسی مرکزی تنظیم اور قیادت کے نہ ہونے کی وجہ اصلاحِ حال کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ ان مایوس کن حالات میں یہ خدا کا فضل ہی تھا کہ ہماری قومی زندگی کے مختلف مرحلوں میں بعض ایسے قابلِ اعتماد رہنما پیدا ہوئے جنہوں نے ان مایوسی کی تاریکیوں میں امید کی شمع روشن کی اور قوم میں جذبۂ حریت کو ابھار کر زندگی کی ایک تڑپ پیدا کر دی چنانچہ تحریکِ مجاہدین کے رہنماؤں نے سردھڑ کی بازی لگائی۔ لیکن انگریز حکمراں کی شاطرانہ چال اور ہندو اکثریت کی سازشی ذہنیت ہر مرحلہ میں ان تحریکوں کی ناکامی کا سبب بنی۔ انگریز حکمراں اور ہندو قوم کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ ہندوستان میں صرف یہی قوم ہے جسے اپنی لٹی ہوئی حکومت کا احساس ہے اور اس کے سر میں ابھی تک حکمرانی کا سودا باقی ہے۔ اس کے علاوہ اربابِ مقتدر کو اس حقیقت کا بھی احساس تھا کہ اُمتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت میں غلامی سے نفرت اور اپنے طرز و ضمیر کے خلاف اقدام کرنے والوں کے مقابلہ میں بغاوت کا مادہ موجود ہے۔ اس لئے برسرِ اقتدار طبقہ ہمیشہ مسلم قوم کی یکجہتی اور یگانگت سے خائف رہا۔ چنانچہ اس کی یہ کوشش رہی کہ اس قوم پر حکومت کرنے کے لئے اس میں پھوٹ ڈالی جائے اور اس کے جذبہ جہاد کو کچل دیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر نت نئی سازشیں روبہ عمل لائی گئیں۔ مسلمانوں کو مادی وسائل سے محروم کر دیا گیا۔ ہندوؤں کو اپنے اعتماد میں لے کر ان کے خلاف صف آرا کرایا۔ چنانچہ وہ انگریز کی سیاسی شطرنج کا مہرہ بن کر اس پسماندہ قوم کو شہ مات دینے کے لئے آگے بڑھنے لگا۔

اس کے ساتھ ہی انگریز حکمراں نے ایک اور کارگر حربہ استعمال کیا

اس نے خود مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کی غرض سے مختلف گوشوں میں اسلام کے بنیادی تصورات پر حملہ کرنے والے افراد کو ابھارا جو دین ہی کا لبادہ اوڑھ کر میدان میں آئے اور سرکارِ عظمت مدار کی حمایت کے بل بوتے پر مسلمانوں میں فرقہ بندی کو ہوا دیتے رہے اور مسلم یگانگت و یکجہتی کو پھوٹ اور افتراق میں تبدیل کرنے کے لئے آلۂ کار بنے رہے۔

یہ حقیقت ہے کہ خدا کا فضل مسلم قوم کے شاملِ حال رہا اور انگریز حکمراں اور ہندو قوم کی ہر سازش اور مسلمانوں کے وجود کو ختم کرنے کی ہر تدبیر کسی نہ کسی طرح ناکام ہوتی رہی۔

چنانچہ جدید تعلیمی اور اجتماعی ترقی کے میدان میں ہندو آگے بڑھ چکے اور مسلمان بہت پیچھے رہ گئے تو سرسید میدانِ عمل میں آ گئے۔ انھوں نے حکمتِ عملی اور سوجھ بوجھ سے کام لے کر ایک طرف اس برائے نام مسلمان کو اپنی حقیقت کا احساس دلایا۔ دوسری طرف غالب طاقتوں کے دل میں اپنے حسنِ عمل اور حسنِ کردار سے اس نیم مردہ اور مظلوم قوم کے لئے جگہ پیدا کر دی ان کے ساتھ ان کے رفقائے کار بھی آگے بڑھے علمی تحقیق اور تاریخ اسلام کی شمع مولانا شبلی نے روشن کی شعر و ادب کے میدان میں حالی اور اکبر اپنے جھنڈے گاڑ دئے اور ان باکمال مخلص شخصیتوں کی ہر جہتی کوششوں سے مسلمانوں میں زندگی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ سیاسی شعور سے محروم مسلمان جماعتی طور پر بھی منتشر تھے اور اپنی داخلی کمزوریوں کی اصلاح سے بھی قاصر تھے۔ مکتب اور مساجد کی تعلیم اس صورتِ حال کے خلاف جنگ کرنے میں کارگر نہ تھی۔ کانگریس نے مسلمانوں کی اس بے حسی سے فائدہ اٹھا کر ہندوؤں کو متحد و منظم کیا۔ اور ہندو قوم

کے لئے زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کرنے کے لئے غریب اور مفلوک الحال مسلمانوں کو آلۂ کار بنایا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں مسلمانوں کو راہِ نجات نظر آئے گی۔ وہ مسلم لیگ جو چند سربرآوردہ رئیسوں نوابوں۔ خان صاحبوں اور خان بہادروں کی جماعت بن کر نمودار ہوئی تھی ایک دن ایسی فعال قوت بن جائے گی جو انگریز اور ہندو دونوں کے مظالم کا خاتمہ بھی کرے گی اور شکست خوردہ ذہنیت سے مسلمان کو نجات دلا کر زندہ قوم بنا دے گی۔ یہ خدا کا فضل ہی تھا کہ اس قوم کو علامہ اقبال جیسا مفکر اور شاعر مولانا محمد علی جوہر جیسا رہنما اور آخر محمد علی جناح جیسا قائد نصیب ہوا جن کی مساعی میں باطل کو خس و خاشاک کی طرح جلانے کی طاقت تھی۔ ظاہر پرست ان کی باطنی صلاحیتوں سے بے خبر تھے۔ کانگریس ان کو اپنی ذات میں ضم نہ کر سکی انگریز انکی بصیرت و بلند نظری سے ٹکر نہ لے سکا اور بالآخر ان کی مسیحا نفسی نے آنِ واحد میں مردہ قوم میں ایسی روح پھونک دی کہ اس میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی سی توانائی جھلکنے لگی۔

یہ باتیں ہمارے سامنے کی ہیں ہم میں سے اکثر و بیشتر ان حقائق کے عینی شاہد ہیں ہم جانتے ہیں کہ آج سے تیس سال ادھر ہمارے علمائے دین کی اکثریت کانگریس کے دامن سے وابستہ تھی اس کی وجہ یا تو مولانا آزاد کے فکر و نظر کی گرفت ان کے دلوں اور دماغوں پر تھی یا وہ کانگریس کے علاوہ کسی جماعت کی فعالیت کے قائل نہ تھے۔ جمعیت العلمائے ہند ہو یا احرار قیادت کے اعتبار سے کانگریس کا ہاتھ ہر جگہ دکھائی دیتا تھا۔ اتفاق دیکھئے کہ ان جماعتوں کے قائد ایسے

مسحور کن مقرر تھے کہ ان کی سحر آفریں تقاریر بڑے سے بڑے مخالف کو ہم خیال بنا لیتی تھی وہ ہر جگہ پہنچتے اور سحر انگیز تقاریر کے ذریعہ مسلم عوام کو کانگریس کا گرویدہ بنا لیتے۔ سطحی۔ وقتی اور جذباتی نعرہ بازاری اور انگریز کی حکومت کے خلاف ایک انتقامی جذبہ کے زیر اثر جو طوفان اُٹھتا وہ ہزاروں مسلمانوں کے اندھیرے گھروں کو اور بھی سونا اور تاریک کر دیتا کانگریس اس سے فائدہ اٹھاتی اور انگریز کو مرعوب کر کے اپنے مقاصد بروئے کار لاتی۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہمارے علماء دانستہ طور پر مسلمانوں کا گھر پھونک تماشا دیکھنا چاہتے تھے ان کے ایمان و خلوص پر شبہ نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ بات ضرور ہے کہ وہ حکومت وقت کی مخالفت اور عام مسلمانوں پر مظالم کے زیر اثر شاطر کانگریس کی مسلم کش پالیسی کو بھانپنے سے قاصر رہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ کانگریس نے اپنے عزائم کو بڑی خوبصورتی سے ہندو مسلم اتحاد کے خوشنما غلاف میں چھپا رکھا تھا۔ لیکن مولانا محمد علی جوہر علامہ اقبال اور قائد اعظم کی دوربیں نگاہوں نے حقیقت کا مشاہدہ کیا اور حقیقت حال کو عوام پر واضح کر دیا تو سحر سامری بھی ٹوٹ گیا اور فرعون کی خدائی کا بھرم بھی کھل گیا۔

چونکہ تحریک آزادی کی ناکامی کے بعد انگریز دشمنی کے علاوہ مسلمانوں کا کوئی اعلیٰ اور مشترکہ نصب العین باقی نہ رہا اس لئے مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ تک مسلمان کبھی ایک مرکز پر جمع ہوئے نہ ان میں کوئی نمائندہ قیادت ابھری البتہ وقتی طور پر نمائندگی اور قیادت مختلف تحریکوں اور شخصیتوں میں بٹی ہوئی رہی سید احمد شہیدؒ کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی پہلی مسلمہ قیادت

تحریک خلافت کے تحت مولانا محمد علی جوہر کو حاصل ہوئی۔ چنانچہ پوری قوم ان کے اطراف جمع ہوگئی اور اس دور میں مسلمان سیاسی اور اجتماعی جدوجہد کے نئے حربوں سے آگاہ ہوگئے۔

تحریک خلافت کے ذریعہ مسلمانوں کے سیاسی شعور کی بیداری اور جدوجہد آزادی کے دور رس نتائج اپنی جگہ مسلم ہیں مگر مسلمانوں کے اس وقتی جوش سے سب سے زیادہ فائدہ کانگرس کی قیادت میں ہندو اکثریت نے حاصل کیا علی برادران نے گاندھی جی کی قیادت قبول کرلی۔ انھیں باپو تک کہنے لگے لیکن گاندھی جی نے مسلمانوں کے بل بوتے پر مہاتما بننے کے بعد مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ محتاج بیان نہیں خود مولانا محمد علی جوہر نے اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ کانگرس کو انڈین نیشنل کانگریس بنانے والے مسلمان تھے ان کی اجتماعی قوت کے علاوہ تحریک خلافت اور مجلس خلافت کا سرمایہ کانگریس کی تنظیم کو مستحکم کرنے میں کام آیا اور یہی کانگریس آگے چل کر خود مسلمانوں کی تباہی پر تل گئی۔

تحریک خلافت کے بعد عرصہ تک مسلمانوں کی مرکزیت مستحکم نہ ہوسکی یہاں تک کہ مسلم لیگ کی نشاط ثانیہ ہوئی اور قائد اعظم محمد علی جناح نے اس کی قیادت سنبھالی جو آخر "تحریک پاکستان" کی صورت میں مسلمانوں کی مستحکم نمائندہ اور مسلمہ قیادت بن گئی۔ یہ ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد میں پہلی قیادت ہے جس نے حالات کا جذبات سے نہیں تجربے اور عقل سے جائزہ لیکر مقابلہ کیا اور ہندو اور انگریز کی شاطرانہ چالوں کے باوجود سارے ملک کے مسلمانوں کو ایک مرکز سے وابستہ کرکے ایک منظم قوم بناتے اور اپنے نصب العین پاکستان کو حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

مسلم لیگ اور مخالف جماعتیں

انقلاب ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی ایک کروڑ کے لگ بھگ جانوں کی قربانی دے کر ناکام ہوگئی تو مسلمانوں کے جذبہ حریت کے زیر اثر انگریز اور ہندو کے باہمی استبداد سے بچنے کے لئے ایک تو دیوبند میں دینی تعلیم کا ادارہ قائم ہوا۔ اس کے بانی محمد قاسم تھے۔ اور دوسرا علیگڈھ میں جدید تعلیم کا ادارہ مسلم یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا جس کے روح رواں سر سیّد احمد خاں تھے دیوبند نے راسخ العقیدہ مسلمانوں کو دینی تعلیمات کے ساتھ ساتھ سیاسی شعور بھی عطا کیا اور انھوں نے انگریز سے اقتدار چھیننے کے لئے ہندوؤں کے ساتھ مل کر کانگریس کے ہاتھ مضبوط کئے۔ دادابھائی نوروجی کے بعد کانگریس کی قیادت کٹر ہندو بیرسٹروں اور وکیلوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ جن کی سیاسی ریشہ دوانیوں سے ہمارے علماء بالعموم بے خبر رہے۔ تاہم جوں جوں کانگریس مضبوط ہوتی گئی اور ہندو لیڈر اپنے ہتھکنڈے استعمال کرتے چلے گئے، ان علماء کو پتہ چلتا گیا کہ انکی خیریت اور قوم کی فلاح اسی میں ہے کہ وہ کانگریس کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اپنی تنظیم کو علیحدہ رکھیں۔ چنانچہ جمعیۃ العلماء ہند، خلافت احرار اور اسی قبیل کی دوسری جماعتیں قائم ہوئیں جو اسلام کا پرچم لے کر کانگریسی تصورات کا پرچار کرنے لگیں۔ گنتی کے چند جدید تعلیم یافتہ مسلمان جو کانگریس کے ہمنوا بن کر سیاست میں حصہ لینے لگے تھے بہت جلد اسکی فرقہ وارانہ ذہنیت سے خبردار ہوگئے ان میں قائد اعظم محمد علی جناح اور مولانا محمد علی جوہر کا مقام سب سے نمایاں ہے۔ چنانچہ ان رہنماؤں نے مسلمانوں کو اس زہر سے بچانے کے لئے مسلم لیگ کا پرچم ہاتھ میں لیا اور کانگریس کے مقابلے کیلئے ڈٹ گئے۔ تاہم علماء کا طبقہ ان کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہ ہوا اور وہ بدستور کانگریس کا حامی رہا۔

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ سے جو تحریک ابھری وہ اس سے بالکل مختلف تھی۔ سر

سید احمد خاں نے غدر کی ناکامی سے جو سبق سیکھا تھا وہ یہ تھا کہ اگر مسلمان انگریز کے ساتھ تعاون کر کے تعلیم حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو عجب نہیں کہ بہت جلد ہندو کے دوش بدوش کھڑا ہو جائے جو اس دوڑ میں بیس تیس برس کی سبقت لے جا چکا تھا، اس طرح انگریز حاکم کے دل سے یہ خطرہ جاتا رہے گا کہ مسلمان بغاوت پر آمادہ ہے اور یوں مسلمان تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ سیاسی سوجھ بوجھ پیدا کر لے گا جو ہندو اکثریت کے مقابلے میں اسکی پس ماندگی کا علاج کر سکے اور سرکاری اداروں میں اپنے لئے بھی مقام پیدا کر سکے۔ چنانچہ سر سید احمد خاں ہر قیمت پر مسلمانوں کی کسی سیاسی تنظیم یا کانگریس میں شرکت کے خلاف تھے۔ وہ پہلے اپنی قوم کی جہالت اور بے چارگی کو دور کرنا چاہتے تھے اور اس مقصد کے لئے انھوں نے اسلام کے جن، تصوّرات سے انگریز حاکم خائف تھا اس میں اپنی تفہیم سے نئے معنیٰ پہنائے اور جہاد کے تصوّر کو بدل دیا چنانچہ دیوبند اور دوسرے اسلامی اداروں نے اسکو قطعاً غیر اسلامی قرار دیا۔ اس طرح علمائے اسلام اور قدامت پسند مسلمان کو جدید تعلیم اور علیگڈھ تحریک کے خلاف ہو گئے اور انکی مخالفت کرنے لگے اس طرح انکے اور جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کے درمیان ایک ایسی خلیج پیدا ہو گئی جو ہندو کانگریس کے لئے کارآمد اور مسلمانوں کے اتحاد کے سراسر منافی تھی۔

۱۹۳۷ء میں صوبائی خود مختاری حاصل ہوئی تو کانگریس ایک زبردست طاقت بن کر ابھری ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے سات میں اسکی وزارتیں قائم ہو گئیں باقی کے چار صوبوں میں بھی اس نے حزب مخالف بنا کر یہ ثابت کر دیا کہ ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو اسکی دسترس سے باہر ہو۔ لیکن اقتدار نے کانگریس کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ اسکی فرقہ پرستی اور ہندوانہ ذہنیت پوری طرح طشت از بام ہو گئی۔ جن صوبوں میں اسے اقتدار نصیب ہوا تھا وہاں مسلمانوں کے ایمان و عقائد پر جو حملے ہوئے تو رہے جدا، ان کے سیاسی اور سماجی حقوق و اختیارات پر جس بری طرح ڈاکہ ڈالا گیا اس سے عامتہ المسلمین کے دل کھٹے ہو گئے چنانچہ ایسے آڑے وقت میں حضرت قائد اعظم کی آواز صور اسرافیل ثابت ہوئی۔ مسلمانوں کی بے چارگی پر ہندو کانگریس نے جو قہقہہ

لگایا تھا اس پر بلبلانے والے مسلم لیگ کی پناہ میں آ کھڑے ہوئے۔ اب ہر طرف یہی احساس کام کر رہا تھا کہ علمائے اسلام نے اپنی جذباتی تقاریر سے ہمیں جس کانگریس سے قریب کیا تھا اس کے کاٹے کا کوئی علاج نہیں۔ انگریز حاکم نے جبر و استبداد سے مسلمانوں کو ادھ موا کیا تھا، موت کے گھاٹ نہیں اتارا تھا۔ ہندو کانگریس اس پر بھی راضی نہ تھی، وہ سرے سے اسے ملیا میٹ کر دینے کے درپے ہو گئی۔

۱۹۳۸ء میں پنڈت جواہر لال نہرو نے کانگریس کے سالانہ اجلاس میں بڑے زور کا نعرہ لگایا کہ ہندوستان میں صرف دو طاقتیں ہیں۔ ایک انگریز اور دوسری کانگریس۔ قائد اعظم نے اسکی تردید کرتے ہوئے پنڈت جی کو یاد دلایا کہ ایک تیسری طاقت اور بھی ہے۔ مسلم لیگ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد ترجمان۔ اس غیر متوقع اعلان سے کانگریس کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ مسلم لیگ، جسکی کسی ایک صوبہ میں نمائندگی نہ تھی اتنا بڑا نعرہ لگا دے یہ بات حیرت کی تھی، لیکن دو برس کے بعد قائد اعظم نے ثابت کر دیا کہ ان کا یہ دعویٰ کھوکھلا نہ تھا مسلم لیگ فی الواقع ایک مثالی اور زندہ جماعت بن گئی جس کی روح قائد اعظم کی ذات تھی اور جس کے سامنے ایک مقصد عظیم بھی تھا — حصول پاکستان — دس کروڑ مسلمانان ہند کا اپنا وطن — پاکستان میں جہاں مسلم اکثریت اپنے عقائد، اپنے تصورات اور اپنے منشور کے مطابق رہ بس سکے۔ جہاں اسے ہندو اکثریت کی خوفناک گرفت سے نجات مل سکے اور جہاں وہ اپنی تاریخ، ثقافت اور تہذیب کو پروان چڑھا سکے۔

اب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ مسلمان کانگریس کے تصورِ قومیت کو نہیں مانتا، اسلام، دین اور سیاست کے بُعد کو قبول نہیں کرتا۔ اسلام نہ صرف بندے اور خدا کے درمیان رشتہ استوار کرتا ہے بلکہ دنیا میں بھی ایک ایسا مجلسی نظام قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جو یگانگت، اتحاد اور انصاف کی بنیادوں پر استوار ہو۔ ان کے لئے ہمیں کسی دوسرے نظام اور تصوّر سے روشنی مستعار لینے کی ضرورت نہیں۔ مزید براں ہندو کانگریس کی اسلام دشمنی، اردو دشمنی

اور صوبائی اقتدار حاصل کرنے کے بعد ہندوانہ تعصب اور تنگ نظری نے جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کے ذہنوں کو بھی چونکایا اور وہ جو سر سید کے ہم خیال ہو کر سیاسی تحریکات سے کنارہ کش تھے اور محض انگریز حکمران کی پیروی کو اپنی خیریت اور سعادت کا باعث ٹھہراتے تھے اب مسلم لیگ کی تحریک میں دلچسپی لینے لگے ۔ جو اس ملک میں پروان چڑھ رہی تھی ۔ اس کا سر چشمہ یہ ایمان بھی تھا کہ اسلام ایک زندہ دین ہے جس کے اصولوں ہی سے انسانیت کو موجودہ اور آئندہ تفکرات اور تکلفات سے نجات مل سکتی ہے اور یہ عقیدہ بھی کہ مسلمان ہندو اکثریت کے رحم و کرم پر نہیں جئیں گے ۔ قائد اعظم علیہ الرحمتہ نے ۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ سیشن کراچی میں تقریر کرتے ہوئے ــــ وضاحت فرمائی ۔

• وہ کون سا رشتہ ہے، جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں، وہ کون سی چٹان ہے جس پر انکی ملت کی عمارت استوار ہے، وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے وہ بندھن، وہ لنگر، وہ رشتہ وہ چٹان، خدا کی عظیم کتاب قرآن ہے ۔ مجھے یقین کامل ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی ــــ ایک خدا ــ ایک رسول ــ ایک کتاب ــــ ایک امت ۔"

چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ علمائے دین جن پر اب تک کانگریس کے ہندوانہ تصورات اور عزائم فاش ہو چکے تھے اور جو سچے دل سے مسلمانوں کی یکجہتی اور نجات کے طالب تھے اس آواز پر لبیک کہتے لیکن سیاسی عینک اور نظریاتی تعصب نے انھیں اس رد عمل کی توفیق نہ دی جس کا وقت متقاضی تھا ۔ ہاں وہ علماء اور صوفیائے کرام جن کی عظمت کا سر چشمہ اسلام اور محض اسلام تھا قائد اعظم کے ہم آواز ہو گئے اور وہ جدید تعلیم یافتہ سیاستدان بھی جن کو اپنی قوم اور اسکی آزادی سے سچی لگن تھی ۔

دوسری جنگ عظیم میں انگریز کی پے در پے شکستوں نے ہندوستانی عوام کے دلوں میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ اب غلامی کی زنجیریں بہت جلد ٹوٹنے والی ہیں ۔ انگریز اب گیا کہ جب گیا ۔ ادھر انگریز دوگونہ عذاب میں مبتلا تھا ۔ اپنی قوم کو شکست اور اپنے ملک کو موت سے بچانے کے لئے اسے فوجی طاقت اور خام مواد کی ضرورت تھی اور اس کے لیے اسے اپنے محکوم ہندوستانیوں کا محتاج ہونا پڑتا تھا، دوسری طرف کانگریس اور لیگ کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کے لئے اس کے موجودہ وسائل نا کافی تھے اس کے باوجود وہ دونوں محاذوں پر ڈٹا رہا ۔ ہندوستان میں کوئی ایسی انقلابی تحریک جو حکومت کا تختہ الٹ دے نہ اٹھ سکی اور ہندوستانی جوانوں کے خون سے یورپ کو سیراب کر کے وہ جنگ کا نقشہ بدلنے میں کامیاب ہو گیا ۔ لیکن اسکی نصرت بھی اسے ہندوستان پر اپنا تسلط قائم رکھنے پر قادر نہ کر سکی اسے صاف نظر آ رہا تھا کہ اپنے وطن کو ہٹلر کی دستبرد سے بچاتے بچاتے وہ یہاں کے سیاسی شعور کی زد میں آ چکا ہے اور اگر اس نے ہندوستان کی باگ ڈور اہل ملک کے ہاتھوں میں نہ دی تو اس کا انجام عبرتناک ہو گا ــ اس نے دیکھا کہ ہندوستانی مسلمان قائد اعظم کے ساتھ ہیں اور وہ کسی قیمت پر متحدہ ہندوستان میں کانگریس راج کو قبول نہیں کریں گے ۔ چنانچہ وہ مسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوا کانگریس نے بھی انتخابات میں مسلم لیگ سے شکست کھا کر اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ اس مطالبے کے سامنے گھٹنے ٹیک دے، آنجہانی گاندھی جی نے صاف لفظوں میں تسلیم کر لیا کہ کانگریس ہندوؤں کی جماعت ہے اور مسلم لیگ ہندوستانی مسلمانوں کی ۔ اب قائد اعظم کا خوابِ پاکستان منصۂ شہود پر آتا دکھائی دینے لگا اور مسلمانوں کو سیاسی طور پر مفلوج کرنے کا شیطانی منصوبہ ناکام ہوتے دیکھ کر ہندو فرقہ پرست جماعتوں نے ہنگامہ آرائی شروع کی اور ملک کے گوشے گوشے میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے اور مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا

مولانا مودودی اور مطالبۂ پاکستان

کانگریس زدہ اذہان اور کانگریس کے تربیت یافتہ علماء ہی پاکستان کے مطالبے سے متاثر نہ ہوئے حالانکہ قوم یک زبان ہو کر قائد اعظم اور پاکستان کا خیر مقدم کر رہی تھی۔ اس کانگرس کے زیر اثر علماء کو ـــــ قائد اعظم اور جدید تعلیم یافتہ سیاستدانوں سے توقع نہ تھی کہ قیام پاکستان کے بعد اقتدار کی مسندوں پر انہیں برابر کی جگہ دینگے جس کا امکان انکو کانگرسی حکومت سے ہو سکتا تھا جس کے ساتھ وہ جینے مرنے کی بازی لگائے بیٹھے تھے۔ اور دوسرے یہ کہ انہیں پاکستان میں اس اسلامی نظام کی امید نہ تھی جسے وہ ضروری سمجھتے تھے۔ گویا ایک وجہ ذاتی تھی۔ اپنی اغراض اور اپنے مقاصد کے لئے انہیں قائد اعظم اور مسلم لیگ کا تراشا ہوا پاکستان درکار نہ تھا۔ اور دوسری وجہ نظریاتی تھی کہ اس پاکستان میں انہیں اسلامی دستور اور تصور حیات نہیں ملے گا ـــــ پہلی وجہ کا تو کوئی علاج نہ تھا۔ ہٹ دھرمی، اور خود غرضی کی پٹی جماعتی ہو یا انفرادی کسی منصفانہ اور بے لاگ نتیجہ پر پہنچنے میں مدد نہیں دے سکتی۔ ہاں نظریاتی مخالفت کو قائد اعظم علیہ الرحمتہ نے بار بار ختم کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے مارچ ۱۹۴۴ء میں فرمایا۔

"پاکستان کے تصور کو جواب مسلمانوں کے لئے عقیدہ کی حیثیت رکھتا ہے مسلمانوں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ ان کی حفاظت، نجات اور تقدیر کا راز اسی میں پوشیدہ ہے۔ اس سے یہ آواز اقصائے عالم میں گونجے گی۔ کہ دنیا میں ایک مملکت ایسی بھی ہے جو اسلام کی عظمت گذشتہ کو از سر نو زندہ کرے گی۔"

دوسرے الفاظ میں قائد اعظم قوم سے عہد کر چکے تھے کہ وہ مسلمانوں کو قرون اولیٰ

کے مسلمان بنانے کی سعی کریں گے۔ وہ پاکستان کو قائم کر کے اسلامی تصور حیات کو عملی جامہ پہنانا چاہیں گے۔ اس عہد کے بعد کانگرس زدہ مسلم علماء کے لئے غور کرنے کا مقام تھا کہ اگر پاکستان میں اسلامی عقائد کو فروغ نہیں دیا جا سکے گا تو کیا کانگرس متحدہ ہندوستان میں اس کی اجازت دے گی۔ اس نے بالخصوص یوپی میں ۱۹۳۷ء کی صوبائی خود مختاری کے بعد جو کچھ کیا وہ ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھا۔ لیکن وہ اس سے بھی عبرت حاصل کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ انہیں یہ بھی یاد نہ آیا کہ اس ملک میں جس دور کو وہ اسلامی حکومت کا دور سمجھتے ہیں۔ وہ ترکوں، پٹھانوں، مغلوں وغیرہم کا دور تو ہو سکتا ہے لیکن اسلام کا اس سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ ان ادوار میں بادشاہوں نے اپنے عوام کو اپنے رنگ میں ضرور رنگا۔ لیکن اپنے عوام کو سیاسی آوازیں بلند کرنے کا حق کبھی نہیں دیا۔ گنتی کے دو چار بادشاہوں نے بعض اسلامی قوانین کو نافذ کیا بھی تو آج انہیں ہندو اور کانگرس دونوں متعصب، تنگ نظر اور فرقہ پرست کہہ کر مطعون کرتے ہیں۔ چنانچہ ان ادوار کے وہ بادشاہ اور نامور شخصیتیں جو مسلمانوں کے نزدیک ہیرو کا درجہ رکھتی ہیں۔ کانگرس من حیث الجماعت، ہندو من حیث القوم دونوں کے نزدیک ناقابل قبول حد تک روسیاہ اور بدنام ہیں۔ محمد بن قاسم ہو یا اورنگ زیب، کانگرسی ہندو کسی کو وہ مقام دینے کے لئے تیار نہیں جو مسلمانوں کے دلوں میں ہے۔ اور اس کے برعکس مسلمان کبھی سیواجی مرہٹہ کو اپنا قومی ہیرو سمجھنے پر رضامند نہیں ہو سکتا۔ جو کانگرسی حکمرانوں نے آج کے بھارت میں بنا کر رکھ دیا ہے۔ یہ صورت حال محض اس لئے کانگرسی علماء کی سمجھ میں نہ آئی کہ وہ اپنی قربانیوں اور سیاسی کارناموں کی قیمت پاکستان سے وصول نہیں کر سکتے تھے۔ اور اسی لئے انہوں نے دل میں۔ اس مطالبے کی قدر و قیمت محسوس کرتے ہوئے بھی، اس کی شدید مخالفت کی۔

مولانا مودودی کو کانگرسی لیڈروں اور علما میں کوئی مقام حاصل نہ تھا۔ مولانا
آزاد مرحوم، مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری
مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا مظہر علی اظہر، اور اسی قبیل کے دوسرے علما بلا کے مقرر تھے
انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں جھیلی تھیں۔ انہوں نے اس ملک کے بدنصیب مسلمانوں کو
ہر مسئلے میں اپنی سمجھ بوجھ اور سیاسی شعور کے مطابق خبردار کیا تھا۔ مولانا مودودی ان میں
سے نہ تھے۔ وہ چند برس الجمعیۃ دہلی کے ایڈیٹر رہے۔ اور اسی طرح مفتی کفایت اللہ،
مولانا احمد سعید اور دوسرے علمائے جمعیت العلمائے ہند کے زیر اثر آئے۔ لیکن انہوں
نے کبھی کانگرس کو اپنی جماعت اور اس کے مقاصد کو اپنا نصب العین نہیں ٹھہرایا۔ ان کے
لیے آزادی تھی کہ وہ سیاسی طور پر خود اپنی نظر سے کام لیں۔ اور اگر پاکستان کا تصور
انہیں قبول خاطر ہو تو اس کا ساتھ دیں۔ لیکن ان کی شخصیت اور کردار کا مطالعہ
ظاہر کرتا ہے کہ وہ کانگرس کے نکتہ نظر کے حامل ہو کر بھی کانگرسی نہ ہوئے۔ اور اسلام کا
داعی الی الخیر بن کر بھی مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن حاصل کرنے میں مسلم لیگ اور
قائداعظمؒ کے ہم خیال نہ ہوئے۔ سوال یہ ہے کہ مولانا مودودی نے یہ مسلک کیوں
اختیار کیا؟ اگر ان کی نظر میں کانگرسی نیشنلزم ہی اس ملک کے لیے موزوں تھا تو پھر
وہ کانگرس کی اسٹیج پر کیوں جلوہ گر نہ ہوئے؟۔ ہو سکتا ہے کہ وہ عملی سیاست کے
میدان میں اترنا نہیں چاہتے تھے۔ اور محض مسلمانوں کو بیدار کر کے ایک زندہ قوم
بنانا چاہتے تھے۔ اور اسی لیے انہوں نے قلم سے وہ خدمت انجام دی۔ جو دوسرے علما
زبان سے ادا کر رہے تھے۔ اگر واقعہ یہی تھا تو ان کے قلم سے پاکستان اور مسلم لیگ
کے خلاف وہ زہر کیوں ٹپکا۔ جو کٹر کانگرسیوں ہی کے حصہ میں آیا تھا۔ آخر مسلمانوں کے
لیے علیحدہ وطن حاصل کر کے اس میں اسلامی نظام حیات قائم کرنے اور اسلامی روایات
دہرانے کے تصور میں ایسی کیا قباحت تھی۔ جسے مولانا قبول نہیں کر سکتے تھے۔ ان

سوالوں کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ مولانا اپنے لیے کانگرس کے اسٹیج
پر کوئی مقتدر حیثیت حاصل کرنے سے قاصر تھے۔ اور مسلم لیگ میں کانگرسی علما کی طرح
انہیں اپنی جگہ دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اگر انہیں قوم کا درد ہوتا تو وہ کوئی مثبت پیغام لے کر
قوم کے سامنے آتے، ایسا پیغام جو پاکستان کے تصور اور کانگرس کے نصب العین
سے ممیز کیا جا سکتا ہو۔ اگر انہیں واقعی اسلام کا غم کھائے جا رہا تھا تو وہ پاکستان کے مطالبے
کو صاد کرتے، اور جس طرح کانگرس سے الگ رہ کر کانگرسی نظریات کو اپنانے میں انہوں
نے اپنی بہتری دیکھی تھی، اسی طرح مسلم لیگ سے، جس کے قائدین پر انہیں اعتماد نہ تھا، اور
جن کے قول و فعل میں انہیں تضاد نظر آتا تھا۔ جدا ہو کر وہ پاکستان ہی کے خیرخواہ بنجاتے
یوں بھی قیام پاکستان کے بعد انہیں اس اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے کا حق پہنچتا، جس کے
لیے وہ آج پریشان ہوئے جا رہے ہیں اور جو انہیں اس ملک میں چراغ لے کر ڈھونڈے
سے بھی دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن افسوس، انہوں نے جو راہ اختیار کی۔ وہ ایسی تھی
جو نہ کانگرسی علما کو سوجھی تھی۔ اور نہ مسلم لیگ کے دوسرے مخالفوں کی سمجھ میں آئی تھی۔ انہوں
نے اپنے لیے الگ ڈگر بنائی۔ لیکن منزل وہی رکھی جو کانگرسی علما کی تھی۔ ان کا دعوے
تو یہ تھا کہ وہ اسلام کا احیا چاہتے ہیں۔ لیکن اس پردے میں انہوں نے قدم قدم پر مسلم لیگ
اور قائداعظمؒ کی خلاف ایسی زہر افشانی کی۔ جو پنڈت جواہر لال نہرو اور سردار پٹیل جیسے لیگ
دشمنوں کے لبوں سے بھی ٹپکتی تو خود انہیں شرم آتی۔ صوبائی خود مختاری کے بعد
سنہ ۱۹۳۷ء میں قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کو ایک زندہ اور فعال جماعت بنانے کی
ٹھانی اور کانگریس نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد سات صوبوں میں جو مظالم
مسلمانوں پر کیئے تھے انہیں طشت ازبام کرنا شروع کیا سنہ ۱۹۳۸ء میں
مسلم لیگ کی حیثیت متعین ہو چکی تھی۔ اگرچہ ابھی تک اس کے سامنے کوئی
واضح نصب العین نہ تھا، لیکن قرائن سے معلوم ہوتا تھا کہ مسلمان کانگرس کے

فریب کا پردہ چاک کرنے والے ہیں اور بہت جلد اس کے پھندے سے نکل جائیں گے۔ کانگریس کی مسلم آزاری ، مسلمانوں کی کانگریسی علماء سے بیزاری کی سب سے بڑی وجہ تھی۔ ایسے مرحلے پر مولانا مودودی نے لکھا۔

یہ قوم تو پہلے ہی ایک جمعیت ہے، اس جمعیت کے اندر کوئی الگ جمعیت الگ نام سے بنانا اور مسلمان اور مسلمان کے درمیان کسی دوری یا ظاہری علامت یا کسی خاص نام، یا کسی خاص مسلک سے فرق و امتیاز پیدا کرنا اور مسلمانوں کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کر کے ان کے اندر جماعتوں اور فرقوں کی عصبیتیں پیدا کرنا دراصل مسلمانوں کو مضبوط کرنا نہیں ہے، بلکہ ان کو اور کمزور کرنا ہے۔

"پیغام حق"

فروری سنہ ۱۹۳۸ء

یہ آواز مولانا مودودی کی ہے، جو انہوں نے ۱۹۳۸ء میں بلند کی۔ غور کیجئے کیا واقعی ہندوستانی مسلمان" پہلے ہی سے ایک جمعیت تھے؟ کیا مسلمان ایک طاقت بن کر انگریز اور کانگریس دونوں سے اپنے حقوق حاصل کر رہے تھے کیا انہیں دینی اعتبار ہی سے ایک وحدت کہا جا سکتا تھا۔ کیا دنیوی طور پر ہی وہ کسی واضح حیثیت کے مالک تھے؟ کیا انگریزی عملداری میں انہیں کوئی وقیع مقام حاصل تھا؟ کیا سرکاری دفاتر میں ان کو کوئی برتری حاصل تھی؟ کیا تجارت کی منڈیوں ہی میں ان کی کوئی جگہ تھی؟ کیا تعلیم اور کردار ہی کے لحاظ سے مسلمان مسلمان کہلانے کے مستحق تھے اس کا جواب خود مولانا دیں گے جون سنہ ۱۹۴۲ء میں مولانا مودودی کی مشہور تصنیف "مسلمان اور موجودہ

سیاسی کشمکش" حصہ سوم" شائع ہوئی۔ اس کے صفحہ ۵ پر مولانا لکھتے ہیں۔

"غرض آپ اس نام نہاد مسلم سوسائٹی کا جائزہ لیں گے تو یہیں آپ کو بھانت بھانت کا مسلمان نظر آئے گا۔ مسلمان کی اتنی قسمیں ملیں گی کہ آپ شمار نہ کر سکیں گے، یہ ایک چڑیا گھر ہے جس میں چیل گدھ، بیٹر، تیتر، اور ہزاروں قسم کے جانور جمع ہیں۔ اور ان میں ہر ایک "چڑیا" ہے۔ کیونکہ چڑیا گھر میں داخل ہے۔"

اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ مولانا کو بھی ہندوستان کا مسلمان "ایک جمعیت" نظر نہیں آتا تھا۔ جو امر واقعہ تھا۔ مسلمان تو ملی شعور ہی سے بیگانہ تھا۔ جب تک کہ انکو کسی جمعیت، اور وحدت سے منسوب کیا جاتا؟ ۔۔ دراصل مولانا کا سنہ ۱۹۳۸ء کا بیان مسلم لیگ کے نام سے چڑ اور قائد اعظمؒ کے جذبۂ ملی سے بیر کی بنا پر تھا۔ لطف یہ ہے کہ جس قومی "جمعیت" کی بنا پر وہ کسی الگ جمعیت یا شیرازہ بندی یا جماعت کو اس لئے مردود سمجھتے تھے، کہ اس سے مسلمان اور مسلمان کے درمیان دوری اور پارٹی بازی پیدا ہو جائے گی۔ اسی کے پیش نظر خود مولانا مودودی نے اس اعلان کے تین برس بعد سنہ ۱۹۴۱ء میں اسی اسلام کے نام پر، اسی مقصد جلیلہ کے لئے "جماعت اسلامی" کا سنگ بنیاد رکھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ قوم کی موجودہ حالت نے انہیں اس جماعت اور فرقہ پرستی کی "عصبیت" پر مجبور کیا ہو۔ لیکن نہیں! ان کا مقصد عظیم قومی جمعیت نہ تھا۔ انہیں تو لیگ کے نام سے کد تھی۔ اس کا اظہار انہوں نے اپنی تصنیف "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" میں جگہ جگہ فرمایا۔ اور کمال یہ ہے کہ اس کی ضرورت انہیں ایسے وقت لاحق ہوئی جب قوم پورے جذب و شوق کے ساتھ مطالبہ پاکستان کی ہمنوا ہو رہی تھی۔ جب "پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الٰہ الا اللہ" کا نعرہ بچے بچے کی

زبان پر تھا۔ جب ضرورت اس امر کی تھی کہ مسلمانوں کی اس جمعیت کو اور طاقت ور اور مضبوط بنایا جاتا تھا۔ اور اس میں داخل ہو کر ان خامیوں اور نقائص کو دور کیا جاتا۔ جن کی وجہ سے اس مقصد جلیلہ کے حصول میں تعویق و تاخیر کا امکان پیدا ہو سکتا تھا۔ اس کے برعکس مولانا کو مسلم لیگ اور اس کے قائدین کے وجود میں طرح طرح کی خامیاں نظر آنے لگیں۔ انہوں نے جس دوربینی سے قائداعظمؒ اور مسلم لیگ کے جسم میں کیڑے تلاش کئے۔ اور جس طرح انہیں اچھال کر مسلمانوں کو اپنی تنظیم سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ انہی کا حصہ تھا۔ فرماتے ہیں۔

> "آپ کی سب سے بڑی قومی مجلس، مسلم لیگ جس کو نو کروڑ مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ ہے۔ ذرا اس کو دیکھئے کہ وہ کس روش پر چل رہی ہے۔ جنگ کے موقع پر جو پالیسی لیگ نے اختیار کی ہے وہ اصول پرستی کے ہر نشان سے خالی ہے۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ درحقیقت یہی پالیسی مسلمانوں کے ذہن کی ترجمانی کرتی ہے تو اس کے آئینے میں ہر صاحب نظر دیکھ سکتا ہے کہ ان" نام نہاد مسلمانوں" پر پوری طرح اخلاقی موت وارد ہو چکی ہے۔

مسلمان اور سیاسی کش مکش صفحہ ۲۹

یہ اعتراض یہ تنقید، یہ نکتہ نظر خالص کانگرسی ہے۔ کیا اس کی دریافت پر مولانا کو داد تحسین کا ہدیہ پیش کیا جا سکتا ہے؟ لیکن سوال یہ ہے کہ مولانا، جو خود ڈیڑھ اینٹ کی الگ جماعت اسلامی بنا کے بیٹھے تھے۔ اس کانگرسی اعتراض کا اعادہ کر کے کونسی اسلامی خدمت سرانجام دے رہے تھے، کیا یہ ایسا "کلمتہ الحق" تھا جس کا اعلان قوم کی زندگی اور "اخلاقی طور پر مردہ" لیگی

قائدین کے لئے قم باذن اللہ کا حکم رکھتا تھا؟ کیا اس کا مقصد مخالفت اور محض مخالفت نہیں تھا۔ مولانا دیکھ رہے تھے، کہ ساری قوم مطالبہ پاکستان کیلئے ایک مرکز پر جمع ہو رہی ہے اس صورت حال میں ان کی ذاتی رائے کچھ ہی کیوں نہ ہوتی، ملت بیضا کی اجتماعیت کے مقصد جلیلہ ہی کے لئے وہ خاموش رہ سکتے تھے، لیکن انہوں نے لب کشائی فرمائی بھی تو کانگرس کی ترجمانی کے لئے۔ اُن کے قلم کا جوہر نمایاں ہوا بھی تو مسلم لیگ کی مخالفت اور قائدین لیگ کی ذات پر حملہ کرنے کے لئے معلوم یہی ہوتا ہے کہ مولانا مودودی نے جماعت اسلامی کی طرح اس لئے ڈالی تھی کہ کانگرس کی حمایت کے لئے ایک ایسا سٹیج تیار کیا جائے جو پہلے ہی کانگرسی خیالات کی بنا پر بدنام نہ ہو چکا ہو۔ اور اسلام کے احیاء اور دین کے نام پر مسلمانوں کو مسلم لیگ اور اس کے قائدین سے بدظن کیا جا سکے۔ اور یوں وہ طوفانی دھارا جو مطالبہ پاکستان کی طرف بہہ نکلا ہے۔ بے یقینی اور طوائف الملوکی ریگزاروں میں کھو جائے۔ اگر یہ مقصد نہیں تھا تو ہم پوچھتے ہیں کہ ایسے وقت جب کہ پوری قوم کو بالآخر ایک منزل کا سہارا مل چکا تھا۔ مولانا مودودی کو انجمن سازی کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی تھی۔ اس کا جواب فی الواقعہ وہی ہے۔ جو ہم پہلے دے چکے ہیں حالات کا جائزہ لے کر۔ مولانا مودودی بھی اقتدار کی دوڑ میں کانگرس کے ہمنوا بن کر مسلم لیگ اور قائداعظمؒ سے ٹکر لینا چاہتے تھے۔ تاکہ جمیعتہ العلماء ہند احرار، خاکسار، اور اسی قسم کی دوسری جماعتوں کے ساتھ ایک ایسی تحریک کا اضافہ ہو جائے جس کا سیاسی ہتھکنڈا "کاغذی کارروائی" پر مدار ہو۔ اور جو مسلمانوں کو قائداعظم اور دوسرے لیگی لیڈروں سے دوگردان کر کے پاکستان اور اسلامی وحدت کی لازوال منزل کی بجائے لفظوں کے خوبصورت دائروں اور ذہنی قلابازیوں کے سحر آفریں صحرا میں گم کر دے۔ ممکن ہے کہ

یہ تحریک بھی کچھ نہ کچھ نتیجہ خیز ہو جاتی لیکن جو ذہنوں کو شاعرِ مشرق کے سوز دروں اور ذوق و شوق نے جلا دی تھی۔ اور جن کے شعور کو قائداعظم کے ولولوں سے حرارت ملی تھی، وہ مولانا مودودی کے فوق البھڑک جملوں اور دور از کار باتوں کو کیا خاطر میں لاتے۔

مولانا مودودی نے جس بے جگری سے مسلم لیگ پر حملے کئے اس کا احساس ہمیں ۱۹۴۲ء میں نہ ہوا۔ اس لئے کہ ہماری نگاہیں "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" کے اوراق پر نہ تھیں۔ ہماری منزل پاکستان تھی۔ اور قائداعظم کی عظیم شخصیت ہماری رہبر تھی۔

ہم ایک سو سال کے بعد اٹھے تھے اور جنگِ عظیم نے ہمیں موقعہ دیا تھا کہ غیر ملکی حکمران کی عدیم الفرصتی سے فائدہ اٹھا کر متحد ہو جائیں۔ اور اسے اپنے اتحاد، عزم و توانائی سے بوکھلا دیں۔ لیکن آج جب ہم مولانا مودودی کے کردار اور ارادے کی کھوکھلی نعرہ بازی کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ان کی سیاسی بے صبری کا ماتم کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں ان کی اسلامی سوجھ بوجھ پر بھی شک ہوتا ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جو مسلمان ہی نہیں عالمِ دین ہونے کا مدعی ہو۔ سیاسی بصیرت و بصارت کے اظہار کے لئے "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" کے موضوع پر قلم اٹھا رہا ہو۔ اور مسلمانوں کی یکجہتی میں پھوٹ ڈالنے اور انہیں پاکستان کے تصور سے بھٹکانے کا کام کر رہا ہو۔ حقیقت یہی ہے، آپ اس کا نام کچھ ہی کیوں نہ دیں۔

مسلم لیگ کے بارے میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

"میں اس معاملہ کو ہندوستانی وطن پرست کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ مجھے اس سے بھی کوئی بحث نہیں کہ سیاسی حیثیت سے مسلم لیگ کی یہ پالیسی مسلمان کی اس قوم کے لیے جو اس ملک میں بستی ہے مفید ہوگی یا مضر۔ میرے

لئے جو سوال اہمیت رکھتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ جو قوم اس وقت مسلمان کے نام سے کہلائے جانے کے باعث دنیا میں اسلام کی نمائندہ سمجھی جاتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی مجلس نے دنیا کے سامنے اسلام کو کس رنگ میں پیش کیا۔ اس نکتہ نظر سے جب میں مسلم لیگ کے ریزولیشن کو دیکھتا ہوں تو میری روح بے اختیار ماتم کرنے لگتی ہے۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش صفحہ ۳۰ حصہ سوم)

غور فرمائیے کہ مولانا مسلم لیگ کے ایک ریزولیشن کی مخالفت فرما رہے ہیں جو اس نے جنگِ عظیم میں انگریز کی حمایت کے سلسلے میں پاس کیا تھا۔ مسلم لیگ نے یہ ریزولیشن کیوں پاس کیا۔ اس کے وجوہ پیش کرنے کا یہ موقعہ نہیں۔ اور نہ ان تفاصیل میں جانے کی ضرورت ہے جو اس وقت کے حالات نے پیدا کر رکھی تھیں۔ اتنا بہت ہو کہ مسلم لیگ کے قائدین کے سامنے دو حقیقتیں تھیں۔ ایک یہ کہ انگریز حاکم سے ٹکر لے کر وہ مقصد پاکستان حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ اور دوسری یہ کہ کانگرس نے اس کے برعکس ریزولیشن پاس کر کے اپنے تمام لیڈروں کو جیل میں بند کرا دیا تھا۔ یہ وقت لیگی زعماء کے کام کرنے کا تھا جیلوں میں جانے کا نہ تھا۔ انہوں نے اس مہلت کو غنیمت جانا اور اتنا کام کیا کہ جب کانگرسی لیڈر جیلوں سے باہر نکلے تو ان کا استقبال کرنے کے لئے تلاش کرنے سے بھی کوئی مسلمان نہ ملا۔ یہ مصلحت اور اس پر یہ خیال بھی کارفرما تھا کہ اگر لیگ وہی فیصلہ کرلے جو کانگرس نے کیا۔ اور لیگی لیڈر جیلوں میں چلے جائیں، تو بھی بدحال، بے روزگار، اور جفاکش فوجی ملازمتوں کے دلدادہ مسلمان نوکریوں کے لئے جان پر کھیل جائیں گے۔ اور لیگ کی جمعیت منتشر ہو جائے گی۔ بہر کیف اس ریزولیشن کا جو بھی جواز تھا اس سے مولانا مودودی کی روح کو ماتم کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس وقت وہ "ہندوستانی وطن پرست" کی نظر ہی سے دیکھتے تو بھی ان کی جگہ جیل میں تھی، جس سے

انھوں نے "جماعت اسلامی" کی آڑ لے کر کنارہ کشی کی۔ حقیقتاً انھیں اس پالیسی کو "سیاسی حیثیت سے مسلمان قوم کے لئے مفید یا مضر" جاننے کی ضرورت تھی۔ تاکہ وہ کسی نتیجہ پر پہنچ سکتے لیکن انھوں نے دیکھا تو یہی کہ مسلم لیگ نے اسلام کو کس رنگ میں پیش کیا ہے؟۔

ہمیں یقین ہے کہ مولانا آج اگر اپنی اس تحریر کو دیکھیں گے تو انھیں اپنے دل میں چھپے ہوئے چور کا خود پتہ چل جائے گا۔ آخر مسلم لیگ نے "اسلام کو کونسی ملحدانہ صورت دیکر پیش کیا تھا جس سے مولانا کی روح کو ماتم کرنا پڑا۔ اسلام کے پاک لفظ کا اسقدر، ناپاک استعمال مولانا ہی کو زیب دیتا ہے۔ جو ۱۹۴۲ء کے ہندوستان میں نہ تو ہندوستانی وطن پرست کا نقطۂ نظر اختیار کر سکتے ہیں اور نہ اس ریزرولیشن کو مسلم قوم کے لئے مفید یا مضر قرار دینے پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ وہ لیگی لیڈروں کو مسلمانوں کے سامنے "اخلاق باختہ، بے اصول، نامسلم، اور نہ جانے کیا کیا ٹھہرانا چاہتے ہیں تاکہ وہ نیم پختہ مسلم اذہان جو انکے علامہ ہونے پر بے جھجک لبیک کہہ سکیں اور انکی سیاسی بصیرت سے اپنے چراغ روشن کرنے کو اسلامی خدمت ٹھہرا سکیں فی الفور لیگی قیادت سے منحرف ہو جائیں اور لیگ کی صفوں میں پھوٹ پڑ جائے، تاکہ پاکستان کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو۔

اس حقیقت کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کے لئے ہم سیاسی کشمکش حصہ دوم، کے صفحہ ۱۲۵ کی مندرجہ ذیل تحریر پیش کرتے ہیں۔ جس میں مسلمانوں کو مسلم لیگ کی قیادت سے روگرداں کرنے کے بعد انھیں پوری قوت سے "ٹکر" لینے کی ترغیب بھی دلائی گئی ہے

"مسلمان انتہا درجے کے نادان ہوں گے اگر انھوں نے اب بھی حالات کو ٹھیک ٹھیک نہ سمجھا۔ وہ ابھی تک اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ انکو یہ نمائشی جلسے اور جلوس اور کھوکھلے مظاہرے قومی ہلاکت سے بچا لیں گے۔ وہ ان لوگوں کی لیڈری پر اعتماد کر رہے ہیں جنکے سامنے اپنی وزارت اور وجاہت کے سوا کچھ نہیں۔ جو اپنی قوم کے لئے ایک بال تک بیکا

ہونا گوارہ نہیں کر سکتے۔ جو مسلمانوں کے مفاد کا نام صرف اس لئے بلند آہنگیوں سے لیتے ہیں کہ ایوانِ وزارت پر ان کا قبضہ رہے جنکی بزدلی پر دشمنوں تک کو پورا پورا اعتماد ہے۔ جنھیں چیلنج کیا جاتا ہے کہ اگر تم ہمارے ساتھ جیل میں جانے اور لاٹھیاں کھانے کو تیار ہو تو ہم تمہاری ہر بات ماننے کے لئے تیار ہیں اور وہ اس چیلنج کو قبول کرنے کے بجائے کنی کاٹ جاتے ہیں۔ جن کا حال یہ ہے کہ یورپ میں مرکا یہ برطانیہ کو جنگ کا خطرہ پیش آتا ہے تو یہ سب سے پہلے آگے بڑھ کر اپنی وفاداری اور خدمات پیش کرتے ہیں ایسے لیڈروں سے اگر مسلمان یہ توقع باندھ بیٹھے ہیں کہ انکی کشتی کو بھنور سے نکال لیں گے تو میں پیشگوئی کرتا ہوں کہ انکی کشتی ڈوب کر رہے گی یہ تقریروں کا وقت نہیں بلکہ جان جوکھوں کا کام ہے۔ اگر مسلمان جینا چاہتے ہیں تو انکو اور خصوصاً ان کے نوجوانوں کو اپنا گرم خون زندگی کی بھینٹ چڑھانے پر تیار رہنا چاہیئے"

ہم پوچھتے ہیں کہ مولانا کو کس اسلام نے اس نقطۂ نظر کی اجازت دی تھی، کیا اسلام مسلمانوں کی جمعیت اور شیرازہ بندی کو اسلام ہی کے نام پر تباہ کرنے کا حق دیتا ہے؟ کیا شخصی رائے، دس کروڑ مسلمانوں کی متفقہ رائے کے خلاف کوئی معنی رکھتی ہے کہ اسے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے کہ اسلام اس رائے کو فتنہ قرار دیتا ہے۔ اور مولانا کا یہ کردار انھیں منافق اور شرپسند سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں دیتا۔ ایک دوسری جگہ "مسلمان اور سیاسی کشمکش کے اسی صفحہ ۳۰ پر ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"اگر لیگ کے رہنماؤں میں اسلامی حس کا شائبہ بھی موجود ہوتا تو وہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے، اور اس کا جو گہرا اخلاقی اثر

مرتب ہوتا ہے اسکی قدر و قیمت کے مقابلہ میں کوئی نقصان جو ایسا طرز عمل اختیار کرنے کی وجہ سے حاصل ہونے کی توقع ہے قطعاً کوئی وقعت نہیں رکھتا مگر افسوس کہ لیگ کے قائد اعظم سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرز فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہو۔ یہ لوگ مسلمان کے معنی و مفہوم اور اسکی مخصوص حیثیت کو بالکل نہیں جانتے۔ ان کی نگاہ میں مسلمان بھی ویسی ہی ایک قوم ہیں جیسی دنیا میں دوسری قومیں ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہر ممکن سیاسی چال اور ہر مفید مطلب سیاسی تدبیر سے اس قوم کے مفاد کی حفاظت کر دینا ہی بس "اسلامی سیاست" ہے حالانکہ ایسی ادنیٰ درجے کی سیاست کو اسلامی سیاست کہنا، اسلام کے لئے ازالہ حیثیت عرفی سے کم نہیں۔!"

دیکھا آپ نے مولانا نے کس خوبصورتی سے "قائد اعظم" سے لیکر چھوٹے مقتدیوں" تک کو "اسلامی ذہنیت" "اسلامی طرز فکر اور اسلامی نقطۂ نظر" سے محروم ٹھہرا کر اپنی علامگی کی پگڑی میں سرخاب کا پر لگایا ہے۔ متحدہ ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں اسلام پر اس سے بڑا ظلم شاذ ہی ہوا ہو کہ ایک "مولانا" نے کانگریس کی عینک لگا کر ۹ کروڑ مسلمانوں اور ان کی جماعت اور ان کے قائدین کو اسلام کے نام پر بیک جنبش قلم بے دین قرار دیا ہو۔ آخر "اسلامی ذہنیت" "اسلامی طرز فکر اور اسلامی نقطۂ نظر" سے ناواقفیت اور بے گانگی بے دینی نہیں تو اور کیا ہے۔ تو اس اعتبار سے ہندوستان کے ۹۰۹ فیصد مسلمان جنھوں نے قائد اعظم کی آواز کو حق کی آواز قرار دیا اور انکی رہنمائی میں پاکستان حاصل کیا بے دین اور کافر تھے۔ سبحان اللہ کیا استدلال ہے اور کیا منطق ہے۔ اس آئینہ میں اگر مولانا آج اپنی صورت دیکھ کر اپنے ماضی کا ماتم کر لیں تو شاید اللہ کریم اور اس کے حبیب

کی بارگاہ میں منہ دکھانے کے قابل ہو جائیں، ورنہ ان پر علامہ اقبال کا یہ فیصلہ صادق آتا ہے۔ ع

دین ملا فی سبیل اللہ فساد

اگر فی سبیل اللہ فساد کا نام اسلامی ذہنیت، اسلامی طرز فکر، اور اسلامی، نقطۂ نظر ہے تو واقعی قائد اعظم اور ان کے مقتدی اس سے بے بہرہ تھے۔ اور اس کا سہرا مولانا مودودی اور انکے کانگریسی ہم خیالوں کے سر ہے۔ جنھوں نے اپنی بے خبری کو قائد اعظم کی بے خبری، اپنی بے بصری کو قائد اعظم کی بے بصری اور اپنی سیاسی کم نظری کو قائد اعظم کی کم نظری ٹھہرایا۔ کون ہے جو مولانا کی اس "اسلامی سیاست" کی تائید کر سکتا ہے، کہ ہر ممکن سیاسی چال اور مفید مطلب سیاسی تدبیر سے اس قوم کے مفاد کی حفاظت کرنا "اسلامی سیاست نہیں، اسلام کے لئے ازالہ حیثیت عرفی ہے" گویا اسلام کی، حیثیت عرفی جب قائم ہوتی کہ قوم کے مفاد کو قربان کر دیا جاتا۔ لیگی لیڈر جیلوں میں چلے جاتے، مسلمان جذباتی ہو کر سڑکوں پر ٹکر لگاتے اور "انگریز گولیوں سے انھیں، چھلنی کرتا۔ اور غدر ۱۸۵۷ء کی یاد تازہ ہو جاتی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر مسلم لیگ بھی، کانگریس کی ہمنوا ہو جاتی تو نہ پاکستان بنتا اور نہ انگریز یہاں سے جاتا۔ اس صورت میں جو قتل و غارتگری کا بازار گرم ہوتا اس کے بعد دونوں جماعتوں میں اتنی صلاحیت نہ رہتی کہ ایک سو سال تک سر اٹھا کر انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکیں۔ اور اگر وہ اپنے حالات سے مجبور ہو کر چلا بھی جاتا، تو بھی اس کشت و خون کے بعد اس ملک کی حالت یہ ہوتی کہ جس ہمسائے کا جی چاہتا اسے آسانی سے کچل ڈالتا اور ہماری معیشت بھی تباہ ہو جاتی اور ذہنی حالت بھی ناگفتہ بہ ہوتی۔

یہ "اسلامی نقطۂ نظر" پیش کر کے اور مسلم لیگ کو اس قوم کے مفاد کی حفاظت کرنے کے جرم میں مطعون کر کے مولانا مودودی اسلام کے ٹھیکدار بنتے ہیں۔ غور کا مقام

—— ہے۔ کیا اسلام اندھی جذباتیت کا نام ہے۔ کیا قومی مفاد کی حفاظت جرم ہے
کیا اسلام ہمیں یہی درس دیتا ہے کہ ہم سیاسی بصیرت سے کام نہ لیں، اور تقلیدِ محض ہی کو،
بروئے کار لائیں ــ اس کے باوجود ہم مولانا کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ اپنے سیاسی مسلک
کو جیسے چاہیں اختیار کریں۔ لیکن اسلام کی آڑ لے کر قوم میں پھوٹ ڈالنے اور فتنہ بپا
کرنے کا حق کسی کو نہیں دیا جا سکتا۔ یہ حق مولانا نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ لیکن اللہ کریم نے
ان کی آواز کو معطل کر دیا۔ قائدِ اعظم کی مقبولیت اور مسلم لیگ کی جمعیت میں کوئی کمی واقع
نہ ہوئی۔ ہاں ایک داغ رہ گیا جو مولانا کی پیشانی پر بدستور کلنک بن کر نمایاں ہے اور جسے انکی
کج بحثی اور کٹ حجتی بھی دور نہیں کر سکتی۔

مسلم لیگ اور اس کے قائدین اور مقلدین پر حملہ کرنے کے بعد مولانا نے قوم کے سامنے
جو لائحہ عمل پیش کیا، وہ بھی سیاست کی تاریخ میں یادگار حیثیت رکھتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے :۔

”میرے دل نے بارہا یہ سوال کیا کہ اسلام جو کبھی آندھی اور
طوفان کی طرح اٹھا تھا جس کے آگے دنیا کی کوئی طاقت ٹھہر نہ سکتی تھی، آج
اس کی کشور کشائی اور عالمگیری آخر کس چیز نے چھین لی۔ اس کا جواب ہر
بار مجھے یہی ملا کہ اسلامی تحریک پر تنزل و انحطاط کے اس قانون کا عمل
جاری ہوا ہے جسے میں ابتدا میں بیان کر آیا ہوں۔ اب اصلاح کی صورت
اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسلام کو ازسرِ نو ایک تحریک کی حیثیت سے اٹھایا
جائے اور مسلم کے معنی کو پھر سے تازہ کیا جائے۔ مُردوں کی بستی میں
جو تھوڑے بہت مسلمان دل ابھی حرکت کر رہے ہیں اور جن کی گہرائیوں
سے ابھی تک یہ شہادت بلند ہو رہی ہے کہ اسلام ہی حق اور صدق ہے۔
اور انسانیت کی فلاح صرف طریق اسلامی ہی میں ہے۔ انکو جان لینا

چاہیئے کہ اب کرنے کا کام یہی ہے۔ مگر اس کام کو کرنا کھیل نہیں ہے۔
یہ وہ کوہ کنی ہے جس کے تصور ہی سے فرہاد کا زہرہ آب ہو جاتا ہے“

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش صـ۳۱)

یہ تحریر ۱۹۴۲ء کی ہے، جب مولانا کو مسلم لیگ یعنی نو کروڑ مسلمانوں کی نمائندگی کی
دعویدار، اور بقولِ مولانا ”آپ کی سب سے بڑی قومی مجلس“ مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ
وطن کا مطالبہ پیش کر چکی تھی۔ اور اس کے قائدین کے قول و فعل میں مولانا کو اسلام سے کوئی
تعلق دکھائی نہیں دیتا تھا، حالانکہ اس تحریر سے ایک سال پہلے ۱۹۴۱ء میں قائدِ اعظم اعلان
کر چکے تھے کہ :۔

”اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہیئے۔
کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا
عملی ذریعہ قرآنِ مجید کے احکام اور اصول ہیں، اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ
کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی اور نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن
کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی
حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول،
اور احکام کی حکمرانی کے لئے آپ کو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے“

یعنی قائدِ اعظم نے ہندی مسلمانوں کے لئے جداگانہ وطن کا مطالبہ کیا تو اپنے لئے نہیں
اپنے اقتدار اور مقام کے لئے نہیں، اپنی حکومت اور بادشاہت کے لئے نہیں، اللہ کے لئے،
قرآن حکیم کے اصولوں کے لئے۔ وہ قوم کو اسلامی قوانین کا پابند کرنا چاہتے تھے —— اس
اعلان کے ایک سال بعد مولانا مودودی نے انھیں ”اسلامی حس کے شائبہ“ سے بھی محروم
قرار دیا۔ انھیں اسلامی نقطہ نظر اور ذہنیت سے بھی بے خبر گردانا۔ اور بات وہی کہی، جو
قائدِ اعظم ایک سال پہلے کہہ چکے تھے اور واضح تر الفاظ میں کہہ چکے تھے۔ وہ مدبر تھے مقننی

تھے، سیاست دان تھے ۔ ان کا تصورِ اسلام واضح تر تھا، ان کو اپنی بات مصنوعی اور
بھڑکیلے الفاظ کے قالب میں ڈھالنے کی حاجت نہ تھی ۔ اس کے برعکس مولانا کے آندھی اور
طوفان، مارکہ اسلام کی اصلاح کا مقصد "فرہاد مگا زہرہ آب" کرنے کے سوا کچھ نظر نہیں آ
وہ فرماتے ہیں کہ اسلام نے جس جذبہ سے کشور کشائی اور عالمگیری کی تھی اس کو پھر تازہ کیا
جائے ۔ بنیادی طور پر "مردوں کی بستی میں جہاں تھوڑے سے مسلمان دل حرکت کر رہے ہوں"
وہاں "کشور کشائی اور عالمگیری" سے فتوحات کے دروازے نہیں کھولے جاتے، بلکہ اخلاق
محبت، خلوص، دیانت داری، ایمان اور شرافت سے کام لیا جاتا ہے ۔ وہاں ایثار و قربانی
کو بروئے کار لایا جاتا ہے ۔ وہاں ذاتی مخالفت اور مخاصمت کی بناء پر اسلام کو ٹٹی بنا کر
سکارخ اندازی نہیں کی جاتی ۔ وہاں دوسری زندہ جماعتوں میں تفرقہ بازی اور حملہ آور
کو اپنا کمال نہیں سمجھا جاتا ۔ وہاں سچے دل سے دوسروں کے جذبات اور عقائد کو سمجھ
کی کوشش کی جاتی ہے ۔ لیکن "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" کے ایک ایک حرف
سے مسلم لیگ اور قائد اعظم کے خلاف وہ شعلے اٹھتے نظر آتے ہیں جنھوں نے مولانا کو آتش
زیر پا کر دیا، اور وہ ٹھنڈے دل سے غور کرنے ہی کے قابل نہ رہے چنانچہ جس بے باکی
اور بے رحمی سے انھوں نے اپنے گھریلو اور ذاتی اسلام کا پرچار کرتے ہوئے کروڑ
مسلمانوں کا پتہ کاٹا ہے وہ انھیں کا حق ہے اور کوئی اور کرتا تو خود مولانا اسے ملحد و
کافر قرار دے کر دائرہ اسلام سے خارج بھی کرتے، اور اسے موت کے گھاٹ اتار
والوں کو مجاہد، مومن اور نہ جانے کیسے کیسے القابات و خطابات سے بھی نوازتے
ارشاد ہوتا ہے :-

"عموماً جو اجتماعی تحریکیں مسلمانوں میں پھیل رہی ہیں، وہ اسلامی نقطۂ
نظر سے غلط ہیں ۔ ان کے مقاصد میں غلطی ہے، ان کے طریق کار میں غلطی ہے
انکی قیادت میں غلطی ہے ۔ اور انکی روحی کیفیت میں غلطی ہے ۔ بہت

سے لوگوں کو تو بے شعوری کی وجہ سے اس غلطی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔
اس لئے وہ جوش و خروش کے ساتھ ان تحریکوں کو چلاتے ہیں، انکے نزدیک
کسی تحریک کے درست ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اس میں "مسلمانوں
کا فائدہ ہے" (صفحہ ۲۱ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم)

یہ تحریر کسی تبصرے کی محتاج نہیں ۔ کاش مولانا محسوس کرتے کہ ان کو یرقان کا
مرض لاحق ہے ۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ساری قوم نابینا ہو ۔ اس کے تمام قائدین بصارت
سے محروم ہوں اور اندھوں کی اس نگری میں ایک مولانا مودودی بینا رہ گئے ہوں ایمان کا
تقاضا تو یہ ہے کہ اگر فی الواقعہ وہی بینا تھے ۔ تو اندھوں میں شامل ہو کر نابیناؤں کی جمعیت
کو قائم کرتے اور اسی کو حبل اللہ سمجھتے ۔ اس صورت میں ان پہ جہاد اور اجتہاد کا فریضہ
عائد نہیں ہوتا تھا ۔ وہ کسی دینی فرض سے مجبور رہتے انتہا یہ کہ سب کے ساتھ چلیں اور
"مسلمانوں کا فائدہ" دیکھ کر ہمنوا ہو جائیں ۔ لیکن کمال تو یہ ہے کہ انھیں وہی بات غلط نظر
آتی ہے جس میں مسلمانوں کا فائدہ ہو ۔ یہ استدلال خود انکو غلط ٹھہراتا ہے ۔ آخر انگریز اور
ہندو کی غلامی سے نجات پانے کا مطالبہ اسلامی نقطۂ نظر سے کیسے غلط ہو سکتا ہے ۔ اللہ
تعالے نے منافقین اور کفار کے ساتھ سیاسی تال میل کرنے کا حکم کہاں دیا ہے ۔ قرآن حکیم کیا
کہتا ہے کہ ساری امت جس نکتہ نظر پہ متفق ہو، اس سے اختلاف کرو، اسے غلط قرار دو اور
اپنی بات پر اڑیل ٹٹو کی طرح اڑ کر قوم میں رخنہ اندازی کرو ۔ لیکن مولانا مودودی صاحب
کا اسلام انہیں اسی کا حکم دیتا ہے تو پھر یہ وہ اسلام نہیں جو نبی برحق حضرت احمد مجتبےٰ محمد
مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم لے کے آئے تھے ۔ یہ ان کا ذاتی اسلام ہے جس کے لئے وہ
آج بھی امت محمدیؐ کے سامنے جواب دہ ہیں اور کل حشر کے دن اللہ تعالے کے حضور
بھی انہیں "مسلمانوں کے فائدہ" کے خلاف آواز بلند کرنے پہ باز پرس کی جائے گی ۔ اللہ
تعالے انھیں معاف فرمائے انھوں نے اس منافقت اور مخالفت سے اسلام کے نام کو

سیاسی حربہ بنا کر مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی ان کی دال نہ گل سکی لیکن ان کے کردار اور تصورِ اسلام پر کبھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہماری اس رائے پر کسی کو اب بھی شبہ ہے تو اسی کتاب کے صفحہ ۳۷ کا مطالعہ کرے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"یہ سب کچھ غیر اسلامی ہے۔ لہٰذا اگر یہ آپکی قومیت اور یہ آپکا کلچر ہے اور یہ آپ کے قومی مقاصد ہیں تو آپ اپنی قوم کا جو نام چاہیں تجویز فرمائیں، اسلام کا استعمال کرنے کا آپکو حق نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام آپکی اس قومیت اور اس کلچر سے تبرّی کرتا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ اسلام ہی کا نام استعمال کرنے پر آپ کو اصرار کیوں ہو۔ "مسلمان" کے معنی و مفہوم سے تو آپ کو کوئی بحث ہے نہیں آپ کو تو اپنی قومیت کے لئے بس ایک نام چاہیئے سو اس غرض کے لئے آپ جو نام بھی وضع کریں وہ آپکی مستقل اجتماعی حیثیت پر اس طرح دلالت کرنے لگے گا جس طرح اب لفظ "مسلمان" کر رہا ہے۔ آخر اس نوع کی قومیت میں کونسی خصوصیت ہے جس کے لئے لفظ "مسلمان" ہی استعمال کرنا ضروری ہے"

لیجئے مولانا نے "مسلمان اور اسلام" کا لفظ اپنے لئے رجسٹر کر لیا۔ اس کے جملہ حقوق محفوظ کر کے۔ حق کاپی رائٹ حاصل کر لیا دوسری اسلامی جماعتوں کو اس کے استعمال پر قدغن لگا دی ہے۔ کیا اس کی مثال گذشتہ چودہ سال کی اسلامی تاریخ میں ملتی ہے کیا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو یہ اختیار دیا ہے کہ کسی اسلامی جمعیت یا جماعت کو اسلام کا لفظ استعمال کرنے پر منع کر دے۔ نو کروڑ مسلمانوں کی قومیت اور کلچر کو غیر اسلامی قرار دیا جائے، اور پٹھانکوٹ میں کولہو کے بیل کی غلام گردش کو "دار الاسلام" اور اپنی خلوت خاص کو "جماعت اسلامی" کا نام دے کر ایسی انا کا مظاہرہ کیا جائے جسکی اجازت اسلام ہرگز ہرگز نہیں دیتا۔ اسلام اور مسلمان کو اپنے لئے مخصوص کر کے

دوسروں کو غیر مسلم اور دوسروں کے مقاصد کو غیر اسلامی ٹھہرانے کا حق خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت علی مرتضٰے کرم اللہ وجہٗ نے جنگ جمل اور جنگ صفین میں بھی نہیں سمجھا۔ اور تو اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰے نے میدان کربلا میں بھی اپنے مخالفین کو غیر مسلم اور ان کے معاشرہ کو غیر اسلامی نہیں ٹھہرایا۔ کہ اسلام اللہ کا دین ہے۔ اس کا فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہے کہ کوئی فرد یا کوئی جماعت کسی معاملے میں کہاں تک اسلامی یا غیر اسلامی ہے۔ ہاں اگر رب العزت نے مولانا مودودی پر کوئی خاص شریعت اتاری ہے جس کا علم خود انہیں کو ہے اور وہ اسکی رو سے دوسروں کی ذات اور سیاست پر فیصلہ صادر کر رہے ہیں، تو پھر یہ معاملہ اسی کی بارگاہ میں پیش ہوگا۔ وہی اُن سے ان کی حرکات کا جواب لے گا۔ رہے ہم تو۔ ع

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر مولانا نے اس قدر غیر معقول رویہ کیوں اختیار کیا۔ انکو مسلم لیگ کے نام سے وحشت کیوں ہوتی تھی۔ وہ پاکستان کا مطالبہ کرنے والوں کے طرز عمل کو غیر اسلامی کیوں سمجھتے تھے اس کا جواب اسی کتاب "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" کے صفحہ ۱۲۸ پر ملے گا۔

"مسلمانوں نے چونکہ اپنے دین کو ایک عالمگیر تحریک کے بجائے ایک جامد قومی کلچر، اور اپنے آپ کو ایک بین الاقوامی انقلابی جماعت کے بجائے محض ایک قوم بنا کر رکھ دیا ہے۔ لہٰذا اس کا نتیجہ آج ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے تاریخ میں پہلی مرتبہ اقلیت و اکثریت کا سوال پیدا ہوا ہے اور اس کے لئے یہ بات سخت پریشانی کی موجب بن گئی ہے کہ مردم شماری کے اعتبار سے جب میں چار کے مقابلے میں ایک کی نسبت رکھتا ہوں تو اب میں

چوگنی تعداد کے غلبہ سے اپنے آپ کو کیسے بچاؤں ۔"

مولانا نے اپنی مخالفت کے جواز کے لئے بڑی عمدہ بات کہی کہ اسلام جغرافیائی حدود میں قید نہیں ہو سکتا۔ لیکن کوئی ان سے پوچھے کہ متحدہ ہندوستان کے مخصوص حالات کے پیش نظر ہندو اکثریت کی تنگ نظری اور پست ذہنیت سے کنارہ کش ہونے کے لئے پاکستان کا حصول اسلام کو کیسے مقید کر رہا تھا۔ کیا افغانستان، ایران، حجاز، مصر، شام، انڈونیشیا اور دوسرے علاقوں میں اسلام قید ہو گیا ہے اور اسکی عالمگیر تحریک کو ضعف پہنچا ہے، اسکی بین الاقوامی انقلابی حیثیت ختم ہو گئی ہے اگر اسکا جواب نفی میں ہے تو پھر پاکستان کے قیام سے انہیں اسکا خدشہ کیوں لاحق تھا۔ اگر متحدہ ہندوستان میں چار غیر مسلم اور ایک مسلم کے تناسب کے باوجود مسلمان ایک بین الاقوامی جماعت اور عالمگیر تحریک بن سکتا تھا۔ تو ایک مرکز پر پہنچ کر اپنی غالب اکثریت کے وطن میں اس کی حیثیت کیسے ماؤف ہو جاتی یقیناً اس کا جواب انکے پاس نہیں۔ ہم یہی کہیں گے کہ مولانا مودودی نے بھیڑ کے لباس میں کانگرسی بھیڑیے کا کردار ادا کرتے ہوئے اس انداز فکر سے مسلمانوں کی جمعیت کو پارہ پارہ کرنے کی سعی فرمائی۔ یہ الگ بات ہے کہ اسکا انجام بھی وہی ہوا جو دوسرے کانگرسی عمائدین کی مخالفت کا۔

فی الواقعہ قیام پاکستان سے اسلام کی عالمگیر حیثیت پر کوئی حرف نہیں آ سکتا تھا کہ اب تک جن دس کروڑ مسلمانوں کو ہندی مسلمان کہا جاتا تھا اب ان پر ایک کی بجائے دو لیبل یعنی پاکستانی اور ہندی مسلمان کے نام سے یاد کیا جا سکتا تھا انکی اس جغرافیائی تقسیم سے اسلامی وحدت، مرکزیت اور بین الاقوامیت کو کیسے نقصان پہنچ سکتا ہے یہ بات ہماری سمجھ سے آج بھی باہر ہے۔ شاید مولانا خود بھی اسکی وضاحت کرنے سے قاصر رہیں۔ ہاں قائداعظم نے اس حقیقت کو کیسے سمجھا اور انہوں نے اس کا جواب کسقدر دلنشین انداز میں دیا وہ آج بھی ہمیں یاد ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

"پاکستان اسی دن وجود میں آ گیا تھا جب ہندوستان میں پہلا غیر مسلم مسلمان ہوا یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ (۸ مارچ ۱۹۴۴ء)

رہا سرشماری کا سوال تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ ان کی سیاسی بصیرت نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ چوگنی ہندو اکثریت میں مسلمان سمٹ کے پریشان ہونیکی کوئی بات نہیں۔ اور اکثریت د اقلیت کا غم کھانے کی ضرورت نہیں۔ گذشتہ سولہ سالہ تاریخ کے واقعات ان کے سامنے ہیں۔ ہندی مسلمان پر جو ظلم ٹوٹے ہیں، ہندو اکثریت نے مسلمان اقلیت کو جسطرح پامال کیا ہے نیشلزم کے کھوکھلے نعرے کی قلعی جس طرح کھلی ہے اس کے بعد کیا وہ نہیں سمجھتے کہ اس وقت فی الحقیقت مسلمانوں کو اپنی اقلیت کا علاج تلاش کرنیکی ضرورت تھی۔ اور انہوں نے جس تدبر اور سیاسی جد و جہد کے بعد اس مسئلہ کا حل ڈھونڈ نکالا تھا، وہی انہیں ہندو کے چنگل سے گلو خلاصی کرا سکتا تھا لیکن مولانا اس وقت اس حقیقت کو محسوس نہ کر سکے یا انہوں نے دانستہ اسے تسلیم نہ کیا۔ وہ برابر مسلم لیگ کی قیادت پر حملے کرتے رہے اور پاکستان کے لئے ایثار و قربانی پر آمادہ ہوتی قوم کو طرح طرح کے دھوکے دے کر کانگرس کی طرف لیجانے کی ناکام کوشش میں لگے رہے۔ انہوں نے قوم کی ذہنی حالت، سیاسی شعور، مادی وسائل کی کمی، دینی سوجھ بوجھ غرضیکہ کسی بات کو نہ دیکھا۔ دیکھا تو بس یہی کہ ساری قوم ان کی بجائے مسلم لیگ کے پیچھے ہے۔ اور اس غصہ اور غم میں انہوں نے تائیدین مسلم لیگ کو جو صلواتیں سنائیں، وہ ان کی اپنی ذہنی حالت کی غماز بن کر باقی رہ گئی ہیں ۔

اس تصنیف کے صفحہ ۴۵ پر ارشاد ہوتا ہے۔

"اسلام کے اصول اس غرض کے لئے بہترین پروگرام دے سکتے ہیں اور اس پروگرام کو لے کر اگر مسلمان عملی مجاہدے کیلئے اٹھ کھڑے ہوں تو چند سال میں حالات کا نقشہ بدل سکتا ہے۔ لیکن یہاں مسلمانوں کی قیادت جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے، وہ نہ اسلام کو جانتے ہیں، نہ اپنے کو مسلمان کی حیثیت سے پہچانتے ہیں، نہ ان کو اس منبع کی خبر ہے جہاں اسلام کی قوت تسخیر چھپی ہے ۔۔۔ ان کے دماغوں کی اپج زیادہ

سے زیادہ جہاں تک ہو سکتی ہے وہ یہی ہے کہ یا تو اپنے آپ کو قلیل التعداد
دیکھ کر محفوظ قلعوں کی طرف بھاگنے کی فکر کریں، یا اس نتیجہ پر پہنچ
جائیں کہ ہمارے لئے دوسروں کے پیچھے چلنے اور اپنے آپ کو غیر
مسلموں کی قیادت کے حوالے کر دینے کے سوا کوئی زندگی نہیں"

اس بیان میں مولانا بدستور قائدینِ مسلم لیگ کو کوس رہے ہیں۔ جو مطالبہ پاکستان
ہی میں مسلمانوں کی جمعیت دیکھ رہے تھے۔ جنہیں بیدار مغز جدید تعلیم یافتہ ہندو
اور فرقہ پرست قدامت پسند دونوں کے طرزِ ضمیر کا پوری طرح پتہ تھا۔
اور اسی لئے دونوں سے اپنی قوم کو چھٹکارا دلانے کی فکر میں تھے، مولانا ان کے برعکس
گاندھی جی اور سردار پٹیل کو مسلمانوں کی حیات کا ضامن جانتے تھے جن سے انہیں
کہیں بھی مسلم آزاری اور باطل پرستی کی بو نہیں آئی۔ وہ قائدِ اعظمؒ کو اسلام اور مسلمان
دونوں سے بیگانہ قرار دے کر اپنے مفتی ہونے کا اعلان کر رہے تھے، اور ان کا فتویٰ یہ
تھا کہ مسلمان سچے دل سے مسلمان ہو جائیں۔ تو چار ہندوؤں کے مقابلے میں ایک ہوتے
ہوئے بھی اسے کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ ہندو ان کا سیاسی حریف نہیں ہے۔
وہ ان کو سینے سے لگائے گا کیونکہ اب وہ مومن بن گئے ہیں۔ یہ اندازِ نظر حقیقت سے
کس قدر دور اور سیاسی بصیرت سے کس قدر عاری تھا۔ اس کا ثبوت تلاش کرنے کے لئے ہمیں
کہیں دور نہیں جانا پڑتا۔ کانگرسی ہندو نے آج اسی کردار کا مظاہرہ کیا ہے۔ جس کا
اعلان حضرت قائدِ اعظمؒ بار بار فرما رہے تھے۔

ہمیں اس میں کلام نہیں کہ مولانا مودودی کا یہ تقاضہ کہ مسلمان کو فرداً فرداً اچھا مسلمان
بننے کی ضرورت ہے، صحیح تھا۔ وہ آج بھی صحیح ہے، اور آئندہ بھی صحیح ہوگا۔ لیکن
اس کا مطلب یہ کیسے نکلا کہ مسلم لیگ کا مطالبہ پاکستان غلط ہے اس کے معنی یہ کہاں
ہیں کہ قائدین مسلم لیگ اسلام اور مسلمان کو نہیں جانتے۔ اسلامی سپرٹ سے بیگانہ ہیں

یہ ان کی سیاسی بصیرت کا انعام یہی تھا۔ کہ مولانا مودودی اسلام کا نعرہ لگا کر ان سے
مٹانے۔ اور ان کی قائم کردہ یک جہتی اور اکائی کو ختم کرنے کے درپے ہو جائیں۔ واقعہ
یہی ہے کہ مولانا کو یہ تکفیر کانگرس کی نگاہ سے ملا۔ اور انہوں نے اسے بلا تامل قبول
کر لیا۔ پھر کیا تھا، نہ قائدِ اعظمؒ مسلمان رہے نہ ۹ کروڑ اسلامیانِ ہند کا مطالبہ
پاکستان صحیح رہا نہ ہندوستان میں اسلام ہی باقی رہ گیا۔ ہاں ایک مولانا مودودی کی
ذات اس کفرستان میں مسلمان تھی، جو سب کو مٹا کر از سرِ نو اسلام کی داغ
بیل ڈالنا چاہتی تھی۔ ایسا اسلام جس کا مرکز واحد پٹھان کوٹ میں تھا اور جس کے علمبردار
حضرت مولانا ابو الاعلیٰ مودودی تھے۔ ہم اس نکتہ نظر کی تائید میں ایک اقتباس پیش کرتے
ہیں۔ اقلیت و اکثریت کے باب میں صفحہ ۵۵ پر فرماتے ہیں۔

"لفظ مسلمان کے ان تقییدات کو اگر صاف صاف سمجھ لیا جائے تو مسلمانوں
کی فلاح و بہبود، ان کا مفاد، ان کی تنظیم، ان کی قیادت و امارت غرض
ان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کا مفہوم متعین ہو جائے گا۔ لیکن اگر ان
تقییدات سے قطع نظر کر کے "مسلمان" کے لفظ کو مطلقاً ایک گروہِ
اشخاص کے معنی میں لے لیا جائے تو پھر ہر شخص کو آزادی ہوگی کہ جس چیز کو
چاہے مسلمانوں کا مفاد کہہ دے، جس چیز کو چاہے ان کی فلاح
و بہبود قرار دے، جس نوع کی تنظیم کو چاہے ان کی تنظیم سمجھ لے، اور جو
شخص بھی انسانی گلّے کو ہانکنے کی قابلیت رکھنے والا دکھا دے، اسے
مسلمانوں کا قائدِ ملت اور امیرِ مطاع ماننے پر آمادہ ہو جائے"

دیکھا آپ نے یہاں بھی مولانا اپنا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں وہ مسلمانوں کو مسلمان
کا ایسا مفہوم دینا چاہتے ہیں جسے صرف وہی صحیح سمجھتے ہیں۔ اور کسوٹی پر صرف
انہی کی ذات قیادتِ ملّی اور سیاستِ قومی کی اہل ثابت ہو سکتی ہے۔ رہے قائدِ اعظمؒ

محمد علی جناح اور قائد ملت لیاقت علی خاں تو وہ انسانی گلے کو ہانکنے والے ہیں۔ نہ وہ اسلام سے آگاہ، نہ مسلمان کے مفہوم سے آگاہ۔ کیوں صاحب! ہم نہ کہتے تھے کہ مولانا کو اس سیاسی کش مکش میں اپنی سوجھ بوجھ، اپنی فہم و فراست، اپنی دانائی، اپنی اسلام نوازی، اور اپنی بڑائی کے سوا کچھ نہیں سوجھتا؟ وہ چاہتے تھے کہ سادہ لوح مسلمان کو قائد اعظمؒ کے خلاف کر دیا جائے۔ اور اس کے لئے آسان حربہ یہ تھا کہ، قائد اعظمؒ قائد ملت اور دیگر عمائدین مسلم لیگ کو سرے سے مسلمان ہی تسلیم نہ کیا جائے۔ پھر مسلمان کے لفظ کو وہ معانی پہنائے جائیں۔ جن پر ۹ کروڑ میں سے ایک ہی شخص اترے، معیار وہ جو مولانا مودودی سچا ثابت کرے باقی سب جھوٹ، سیاسی بصیرت وہ جو مولانا مودودی کی ہو۔ باقی سب "غلط" تنظیمی صلاحیت وہ جو مولف "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" کی ہے باقی سب "غلط" یہ رویہ، یہ رد عمل، یہ پروپیگنڈہ یہ اعلان اور وہ بھی ایسے وقت قوم پوری ایک صدی سیاسی بحران میں مبتلا ہونے کے بعد ہوش میں آ رہی تھی، جب وہ ایک مرکز پہ جمع ہو رہی تھی۔ کیا یہ قوم سے غداری نہ تھی؟" کیا یہ دین اور ملت کے تصور کی کھلی تردید نہ تھی۔ ہاں تھی، اور اسی لئے پوری قوم نے مولانا کی دلیلوں کو پرکاہ کی اہمیت نہ دی، وہ برابر پکارتے رہے کہ "ہم چو من دیگرے نیست" وہ مسلسل کانگرس کے نیشلزم کو اسلام کے پردے میں چھپا چھپا کر پیش کرتے رہے لیکن کسی نے اس بھونڈی اور بے جان تصویر کو دو کوڑی میں خریدنا گوارا نہ کیا۔ غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ اسلام کا عاشقِ صادق شاعرِ مشرق اقبال علیہ الرحمتہ تو قائد اعظمؒ اور صرف قائد اعظمؒ کو مسلمانوں کی کشتی کا ملاح قرار دے اور ان سے اپیلیں کرے کہ خدا اور رسولؐ کے لئے اس فریضے کو سنبھالیں مشرقی تہذیب کا علمبردار اقبال تو اتحادِ اسلامی کے لئے قائد اعظمؒ کو سچا مسلمان سمجھے لیکن مذہبی تعلیم کے حامی اور سیاست اور کانگرسی ذہنیت کے پروردہ مولانا مودودی، قائد اعظمؒ کو اسلام کی روح سے بیگانہ، اور مسلمان کے مفہوم سے بے بہرہ

ٹھہرائیے۔ ز خاکِ مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی است۔

کیا مولانا کے نزدیک علامہ اقبالؒ بھی نعوذ باللہ اسلام اور مسلمان کے معانی سمجھنے سے قاصر تھے۔ کیا قیادت ملّی کے لئے موزونیت کی شرط محض مودودیت ہی سمجھی ہو سکتی تھی آپ حیران ہوں گے کہ مولانا کا جواب اثبات میں ہے۔ فرماتے ہیں۔

"علی ھذا القیاس مسلمانوں کے رہنما بھی صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں، جو سب سے پہلے اسلامی تحریک کے مقصد، اصول اور طریق کار کو جانتے ہوں اور اہل تقویٰ و دیانت بھی ہوں۔ باقی رہے وہ لوگ جو سرے سے اسلام کا علم ہی نہ رکھتے ہوں، یا ناقص علم کی بنا پر اسلام اور جاہلیت کو خلط ملط کرتے ہوں۔ اور پھر تقویٰ و دیانت کی کم سے کم ضروری شرائط سے بھی عاری ہوں تو ایسے لوگوں کو محض اس لئے مسلمانوں کی قیادت کا اہل قرار دینا کہ وہ مغربی سیاست کے ماہر یا مغربی طرز تنظیم کے استادِ فن ہیں اور اپنی قوم کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں، سراسر اسلام سے جہالت اور غیر اسلامی ذہنیت کا نتیجہ ہے۔"

"مسلمان اور سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۵۷۔ مطبوعہ ۱۹۴۲ء۔

اگر اس سے آپ محض قائد اعظمؒ کی مخالفت مراد لے رہے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں، کہ مولانا نے اہل تقویٰ و دیانت کی شرط لگائی تھی، اس پر پورا اترنے والا ہر مسلمان قیادت و سیاست کا اہل قرار پایا۔ تو بھی آپ غلطی پر ہیں۔ مولانا ہرگز ہرگز کسی کو اس مقام پر دیکھنا نہیں چاہتے۔ سوائے اپنی ذات کے انہیں تمام ملک اور قوم میں کوئی دوسرا دکھائی نہیں دیتا ارشاد ہوتا ہے۔

"اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی جو مختلف جماعتیں اسلام کے نام سے کام کر رہی ہیں۔ اگر فی الواقعہ اسلام کے معیار پر ان کے نظریات،

مقاصد، اور کارناموں کو پرکھا جائے، تو سب کی سب جنس کاسد نکلیں گی، خواہ مغربی تعلیم و تربیت پائے ہوئے سیاسی لیڈر ہوں، یا علمائے دین و مفتیانِ شرع مبین، دونوں قسم کے رہنما اپنے نظریے اور اپنی پالیسی کے لحاظ سے یکساں گم کردہ راہ ہیں — ان میں سے کسی کی نظر بھی مسلمان کی نظر نہیں۔

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش صفحہ ۲۸)

اب فرمائیے تقوٰی و دیانت کی شرط بھی گئی۔ "مغربی تعلیم و تربیت یافتہ سیاسی لیڈروں کے ساتھ بیچارے" علمائے دین اور مفتیانِ شرع مبین "سب کے سب پس گئے۔ سب کے سب گم کردہ راہ قرار پائے۔ اس سے پہلے دیکھ چکے ہیں کہ مولانا ہندوستانی مسلمانوں کو مُردہ سمجھ کر پائے حقارت سے ٹھکرا چکے تھے۔ اور مسلم لیگ کے قائدین کو بھی اسلام اور مسلمان کے معنیٰ سے بے خبر سمجھ رہے تھے۔ اب انہوں نے مُردوں کو زندہ کرنے کے لئے لائحہ عمل پیش کیا، کہ مسلمانوں کو سچا مسلمان بنایا جائے، اور اس کے لئے "قیادت صرف ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو" سب سے پہلے اسلامی تحریک کے مقصد، اصول اور طریقِ کار کو جانتے ہوں اور اہلِ تقوٰی و دیانت دار ہوں"۔ بہت اچھا جناب تو پھر کون ہیں، وہ لوگ ؟۔ پتہ چلا کہ لیگی لیڈر تو گئے ہی گئے علمائے دین اور مفتیانِ شرع مبین بھی۔ اس صف میں نہیں آ سکتے۔ باقی رہے مودودی یا ان کی مودودیت خود غرضی یا قطعاً نا سمجھی کی دلیل تو ہو سکتی ہے لیکن کسی کو اسلام اور دین کا عالم ہونے کا سزاوار نہیں ٹھہرایا۔ جس شخص کے نزدیک کوئی مسلمان بھی مسلمان نہ ہو اور علماء اور مفتیانِ کرام بھی صحیح راستے پر نہ ہوں، وہ کس بات پر "مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش" کے موضوع پر قلم اٹھا رہا ہے۔ وہ آخر چاہتا کیا ہے۔ وہ کس لئے اس قدر خطابت اور زورِ بیان صرف کر رہا ہے۔ ع

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

"علمائے دین اور مفتیانِ شرع مبین" کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں:

"مغربی طرز کے لیڈروں پر تو چنداں حیرت نہیں کہ ان بیچاروں کو قرآن کی ہوا تک نہیں لگی۔ مگر حیرت اور ہزار حیرت ہے کہ ان علمائے کرام پر جن کا رات دن کا مشغلہ ہی قال اللہ، قال الرسول ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ قرآن کو کس نظریہ سے پڑھتے ہیں کہ ہزار بار پڑھنے پر بھی انہیں اس قطعی اور دائمی پالیسی کی طرف ہدایت نہیں ملتی جو مسلمانوں کے لئے اصولی طور پر مقرر کر دی گئی ہے"۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے مولانا نے اب اسلام کو کوڈا بنا کر ۹ کروڑ مسلمانوں، مغربی تعلیم یافتہ لیڈروں، علمائے دین اور مفتیانِ شرع مبین سب کو مار نا شروع کر دیا کہ وہ کیوں ان کی غفلت کو نہیں پہچانتے۔ مغربی تعلیم یافتہ حضرات تو انہیں سمجھنے سے قاصر تھے، ان علمائے دین کو کیا ہو گیا۔ جو ان کو امیر ملت نہیں بناتے اور ان کے پاؤں پڑ کر اپنی لیڈری پر نہیں لاتے "تمام جماعتیں جو اسلام کے نام سے کام کر رہی ہیں غلط۔ تمام لیڈر غلط، تمام مفتیانِ کرام غلط، تمام علمائے دین غلط۔ سب گم کردہ راہ۔ رہے مسلمان تو وہ مُردہ — اگر اس جانے کو صحیح سمجھ لیا جائے تو مولانا ان سب کو ہندو کے حوالے کرنے پر کیوں تیار تھے۔ کیا یہ بہتر نہ تھا کہ ان سب کو پاکستان مل جائے — تاکہ یہ بیچارے ہندوؤں کے تعصب اور اکثریت کے خطرے سے محفوظ رہ سکیں لیکن نہیں۔ مولانا کو مطالعہ قرآن، اور اسلام و مسلمان کے آئینہ میں جو چہرہ دکھائی دیا تھا، وہ ان کا اپنا تھا اور اسی لئے انہیں اپنے فکر و نظر کے سامنے کوئی دوسرا! — دکھائی نہ دیتا تھا۔

مولانا کی تمام کتاب اسی قسم کے دعوؤں سے بھری پڑی ہے۔ وہ کسی کو مسلمان سمجھنے اور کسی کے نقطہ نظر کو صحیح قرار دینے کے لئے تیار نہیں، ہم کہاں تک اقتباسات سے اس حقیقت کو واضح کریں۔ یہ تو مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ملا ہے۔

"یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے، وہ ہر قسم کے رطب و یابس لوگوں سے بھری پڑی ہے کیرکٹر کے طور پر جتنے ٹائپ کافروں میں پائے جاتے ہیں اتنے ہی اس قوم میں بھی موجود ہیں"

(صفحہ ۱۳۴)

پاکستان کی تصور کی مخالفت کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

"بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ایک اسلامی طرز کا ہی سہی مسلمانوں کا قومی سیٹ تو تیار ہو جائے، پھر رفتہ رفتہ تعلیم و تربیت، اور اخلاقی اصلاح کے ذریعے سے اس کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے، مگر میں نے تاریخ، سیاست اور اجتماعیت کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے، اس کی بنا پر اس کو ناممکن سمجھتا ہوں، اور اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے تو میں اس کو ایک معجزہ سمجھوں گا۔"

(صفحہ ۱۳۶)

مندرجہ بالا اقتباس کو ایک اور اقتباس کی روشنی میں دیکھنے کی ضرورت ہے، جو اس سے پہلے درج ہو چکا ہے، اور جسے ہم یہاں اس غرض و غایت سے پیش کرتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کو نمایاں کرتے ہیں۔ دونوں سے ایک ہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ پاکستان مولانا کے تصورِ اسلامی کے منافی ہوگا، اس لئے ناممکن العمل اور بیکار ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"جمہوری انتخاب کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے دودھ کو بلو کر مکھن نکالا جاتا ہے۔ اگر دودھ زہریلا ہو تو اس سے جو مکھن نکلے گا قدرتی بات

ہے کہ وہ دودھ سے بھی زیادہ زہریلا ہوگا۔ اس طرح اگر سوسائٹی بگڑی ہوئی ہو تو اس کے ووٹوں سے وہی لوگ منتخب ہو کر برسرِ اقتدار آئیں گے جو اس سوسائٹی کی خواہشاتِ نفس سے سند قبولیت حاصل کریں گے۔ پس جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں، اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومتِ الٰہی قائم ہو جائے گی، ان کا گمان غلط ہے دراصل اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوگا، وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔ اس کا نام حکومتِ الٰہی رکھنا اس پاک نام کو ذلیل کرنا ہے۔"

(حاشیہ صفحہ ۱۰۷)

ع :- اُڑنے سے پیشتر ہی مرا رنگ زرد تھا۔

مولانا کو ہر جگہ یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ پاکستان میں ان کے برسرِ اقتدار آنے کی کوئی صورت نہیں۔ اور اگر وہ برسرِ اقتدار نہیں آ سکتے تو پاکستان کس کام کا۔ چونکہ تمام علمائے دین اور مفتیانِ شرعِ متین، قرآن حکیم کو ہزار بار پڑھنے کے باوجود ہدایت سے محروم ہیں، اس لئے صرف انہی کی ذات پاکستان کو صحیح اسلام سے روشناس کرا سکتی ہے، اور چونکہ اُن کے لئے جمہوری انتخابات میں کامیابی کی کوئی راہ نہیں اسلئے پاکستان "غلط" اور پاکستان کا مطالبہ "غلط"۔ ع

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا کہیے
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

مولانا مودودی کا پروگرام

مولانا کی تصنیف "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ سوئم جو ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی اس دور کے مسلمانوں، علمائے دین، مفتیان شرع متین، اور مغربی تعلیم یافتہ لیڈروں کو کس رنگ میں پیش کرتی ہے یہ آپ دیکھ چکے اب سوال یہ ہے کہ آخر اس تصنیف سے ان کا مطلب کیا تھا۔ اگر انھیں چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا تھا تو وہ کونسی روشنی تھی جس سے اس کا تدارک کرنا چاہتے تھے ۔ انھیں پاکستان کے نام سے کد تھی، انھیں قائداعظم اور دوسرے لیگی لیڈروں میں اسلام اور مسلمان کے مفہوم کو سمجھنے والا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ تو پھر وہ قوم کے سامنے کیا لائحۂ عمل پیش کرنا چاہتے تھے۔ صفحہ ۱۱۹ کے حاشیئے میں لکھتے ہیں ۔

"ظاہر ہے کہ کوئی غیر مسلم مسٹر جناح کے ۱۴ یا ۲۴ نکات پر تو ایمان نہیں لاسکتا۔ نہ مسلم لیگ یا مجلس احرار یا جمعیت العلماء کے ریزولیشنوں میں کوئی ایسی چیز ہے جس پر کوئی ایمان لائے۔ ہاں اگر کوئی لاسکتا ہے تو لا الٰہ الا اللّٰہ پر لاسکتا ہے بشرطیکہ ایک جماعت اس کلمہ کے لئے جینے اور اسی پر مرنے والی ہو، مگر وہ کہاں ہے"

لا الٰہ الا اللّٰہ پر تو ہر مسلمان کا ایمان تھا، اور ہے۔ اس پر ایمان لائے بغیر تو کوئی شخص مسلمان ہونے کا مدعی ہو ہی نہیں سکتا مسلم لیگ، مجلس احرار، یا جمعیت العلماء کا کون رکن ایسا تھا جو اس پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ یا ایمان رکھے بغیر ان جماعتوں میں شریک ہوسکتا تھا۔ یہ تمام جماعتیں بھی یہی دعویٰ کرتی تھیں کہ وہ اسی کلمہ طیبہ پر ایمان رکھتی ہیں اسی کے لئے جیتی ہیں اور اسی کے لئے میدان عمل میں نکلی ہیں۔ تو پھر مولانا کو اپنی ڈفلی بجا کر

انھیں خارج از اسلام اور اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔

آیئے اس سوال کا جواب مولانا کی اسی کتاب میں تلاش کریں ممکن ہے کہ ہم مولانا کے زاویۂ نظر کو بہتر طور پر سمجھ سکیں "ایک صالح جماعت کی ضرورت" کے زیر عنوان صفحہ ۱۶۳ میں لکھتے ہیں :-

"اس کام (حکومت الٰہی کے قیام) کے لئے ایک زبردست تنقیدی، تخریبی اور تعمیری تحریک کی ضرورت ہے۔ جو ایک طرف علم و فکر کی طاقت سے پرانی تہذیب کی جڑیں اکھاڑ دے اور دوسری طرف علوم و فنون و آداب کو اپنی مخصوص فکری بنیادوں پر از سر نو مدون کرے حتیٰ کہ ذہنی دنیا پر اس طرح چھا جائے کہ لوگ اس کے طرز پر سوچنا شروع کردیں اور محسوس کرنا شروع کردیں۔ ایک طرف ان پرانے سانچوں کو توڑ دے جن پر انسانیت ڈھلا کرتی تھی اور دوسری طرف نئے سانچے تیار کرے جن سے نئے اخلاق اور نئی سیرتوں کے آدمی ڈھلنے لگیں۔ ایک طرف پرانے نظام تمدن و سیاست کو اپنے اصولوں پر عملاً قائم کردے"

تو یہ ہے وہ مقصد عظیم جس کے لئے مولانا ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو گمراہ اور تمام قائدین کو، وہ علمائے دین ہوں یا جدید مغربی تعلیم یافتہ گم کردہ راہ قرار دے چکے ہیں۔ بہت اچھا صاحب تو اب آپ کی اس "زبردست تنقیدی، تخریبی اور تعمیری تحریک" کا جائزہ بھی لیا جائے سب سے پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ تحریکیں ہوا میں معلق نہیں ہوتیں وہ قوموں کے مزاج اور شعور کے مطابق ہوتی ہیں ان کے لئے ماحول اور فضا کا سازگار ہونا ضروری ہے۔ ان کے لئے شیخ چلی کے خیالی پلاؤ پکانے والوں کی بجائے عملی جامہ پہنانے والے بے لوث اور مخلص کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے جو اپنے انتھک اور لازوال جذبہ سے اس تحریک میں روح پھونک سکیں۔ ان تحریکوں کے لئے لازمی ہے کہ

وہ جو روح رواں ہوں، قوم کے نزدیک صحیح الرائے ہوں اور ان کا کردار و عمل بے داغ ہو ان کے قول و فعل میں سچائی اور ایمان کا لہو دوڑتا ہو۔ لیکن مولانا کو تو ساری قوم میں اپنے سوا کوئی دوسرا ان صلاحیتوں کا حامل دکھائی نہ دیا۔ اور وہ خود پٹھانکوٹ کے ہوائی قلع سے نکل کر میدان عمل میں آنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے بلند بانگ دعاوی اندھیرے میں چھوڑے ہوئے تیر تھے جن کا کوئی نشانہ ٹھیک نہ تھا اور جن سے کوئی متاثر نہ ہوا۔

اب سوال یہ ہے کہ مولانا نے مسلم لیگ کی تحریک پاکستان کے مقابلے میں جس تحریک کو ہوا دینا چاہی وہ حکومت الٰہی کے حسین پردے میں کیا تھی۔

ا:۔ علم و فکر کی طاقت سے پرانی تہذیب کی جڑیں اکھاڑ دے۔

یعنی ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں میں جو غیر اسلامی تصورات و عقائد گذشتہ ہزار سال میں غیر مسلموں کے میل جول اور روابط سے پیدا ہو چکے ہیں انھیں مٹایا جائے اور ان کی جگہ خالص اسلامی روایات کو داخل کیا جائے ۔۔۔ اور یہ کام مولانا اپنی تحریک سے انگریز حاکم کے زیر سایہ تیس کروڑ غیر مسلموں کے سامنے کرنا چاہتے تھے۔ ہم مولانا کی نیت پر حملہ نہیں کرنا چاہتے، لیکن ہمیں انکی سیاسی بصیرت پر شبہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب تک مسلمانوں کا میل جول غیر مسلموں کے ساتھ قائم رہے گا، یہ رسوم و رواج، یہ روایات، یہ تصورات مٹنے کے نہیں۔ اور اگر کوئی صاحب علم فکر کی طاقت سے" ان کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے تو وہ ماحول اور فضا دونوں کی نوعیت کو سمجھنے سے قاصر تھے مولانا خود تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوستان کا مسلمان برائے نام مسلمان تھا۔ اسے حقیقی بنانے کے لئے تو ہر جماعت بقدر استطاعت کام کر رہی تھی ملک میں بے شمار انجمنیں تھیں، بے شمار رسائل تبلیغ کا کام کر رہے تھے۔ علمائے دین ملک کے گوشے گوشے میں زور بیان، صرف کر کے انھیں صحیح العقیدہ بنانے کے لئے کوشاں تھے۔ پوچھا جا سکتا ہے کہ ان وسائل

کے علاوہ مولانا کے پاس وہ کون سی علم و فکر کی طاقت تھی جسے وہ بروئے کار لانا چاہتے تھے اور جس کے بل بوتے پر آن واحد میں "پرانی تہذیب کی جڑیں اکھڑ جائیں" اور علوم و فنون و، آداب مجلسی فکری بنیادوں پر از سر نو مدون ہو جائیں" پرانے سانچے ڈھائے جائیں اور نئے سانچے تیار ہو جائیں جن سے نئی سیرتوں کے آدمی ڈھلنے لگیں" تحریر و بیان کے اعتبار سے یہ باتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں لیکن ان کا عمل سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ باتیں وہی کہہ سکتا ہے جو آرام کرسی پر بیٹھ کر سوچتا ہو اور جسے ملک کے ۹۰ فیصدی تعلیم سے عاری اور سو فیصدی فکر و عمل سے بیگانہ مسلمانوں سے سابقہ نہ پڑا ہو۔ امر واقعہ یہی تھا۔ مولانا نے اس وقت تک عملی سیاست میں قدم نہیں رکھا تھا وہ یہی سمجھتے تھے کہ ان "پھبّے دار باتوں کی اشاعت سے پوری کی پوری قوم آن واحد میں قائد اعظم سے کٹ کر ان کے قدموں میں آن گرے گی اور رو رو کر ان سے التماس کرے گی کہ ہمیں "بچو منبر" کے گنڈے سے قرون اولیٰ کا مسلمان بنا دیجئے۔ ہم آپ کی حکومت الٰہی قائم کرتے ہیں۔ ہم آپ کو اپنا امیر مانتے ہیں۔ اب تو مزاج یار میں آئے ہم حاضر خدمت ہیں۔

افسوس کہ مولانا کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ کسی نے اس "صالح جماعت کی ضرورت" کو محسوس نہ کیا کسی نے قائد اعظم علیہ الرحمتہ سے روگردانی میں اپنی نجات نہ سمجھی" اور مولانا نے حکومت الٰہی کا جو ڈھول ڈالا تھا وہ جوں کا توں ہی رہا۔

مولانا مودودی اپنے اس پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے جن وسائل کو استعمال کرنا چاہتے تھے ان کو بھی دیکھ لیجئے صفحہ ۱۶۴ پر ارشاد ہوتا ہے۔

"۔۔۔۔۔۔۔ پھر انھیں وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو ایک فاسد نظام کے تسلط کو مٹانے اور ایک صحیح نظام قائم کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اس انقلاب کی جد و جہد میں اپنا مال بھی قربان کرنا ہوگا۔ اپنے اوقات عزیز بھی صرف کرنے پڑیں گے۔ اپنے دل و دماغ اور جسم کی ساری قوتوں سے بھی کام لینا ہوگا اور قید او رجلاوطنی اور ضبط اموال او رتباہی اہل و عیال

کے خطرات بھی سہنے پڑیں گے۔ اور وقت پڑے تو جانیں بھی دینی پڑیں گی۔
ان راہوں سے گذرے بغیر دنیا میں کبھی کوئی انقلاب ہوا ہے نہ اب ہو سکتا
ہے ——"

سبحان اللہ کیا خوش آئند تصور ہے۔ لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ مولانا کی بنا کردہ یہ صالح جماعت ان مراحل سے گذر کر اپنی منزل مراد پر پہنچ جائے گی۔ پرانی روایات مٹ جائیں گی مخصوص فکری بنیادوں پر از سر نو علوم و فنون و آداب کے ایوان تعمیر ہو جائیں گے۔ کیا ہندوانہ تصورات کے وہ سرچشمے جنہوں نے اسلامی فکر و نظر کو ملوث کیا خشک ہو جائیں گے اور نئی سیرتوں کے آدمی ڈھلیں گے۔ یہ باتیں تو ہیں ایک طرف، تاریخ، سیاست اور اجتماعیات کا کون سا کلیہ ہے کہ عوام کی اصلاح کیلئے اتنی خوفناک تباہی برپا کرنے کی ضرورت ہے۔ مسلمان کو اسوۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر چلانے کی دعوت دینے کے لئے ان لرزہ خیز تباہیوں سے ہمکنار کیوں ہونا پڑے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو دین متین کی تبلیغ پر مامور فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ۔ آپ کا کام پیغام پہنچانا ہے ہدایت دینا ہمارا کام ہے لیکن مولانا مودودی اسی پیغام کی تجدید کے لئے ہدایت کا ذمہ اپنی جماعت اسلامی کو سونپتے ہیں اور قربانیوں کی وہ فہرست پیش کرتے ہیں جو خیر کی بجائے شر ہی کا نتیجہ ہو سکتی ہیں۔ تاریخ اسلام میں ہزاروں مصلحین اسی مقصد عظیم کے لئے اٹھے۔ انھوں نے اپنی عظمت کردار سے اور رب العزت کی ذات پر اعتبار کر کے ملکوں اور قوموں میں ایسی روح پھونک دی کہ زندگی عود کر آئی اور کفار و مشرکین بھی سب کے سب مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ مولانا کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے تاریخ، سیاست اور اجتماعیات کا تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے۔ کاش انھوں نے ہند کی تاریخ تصوف کی ورق گردانی کی ہوتی۔ تو انھیں پتہ چلتا کہ ایک داتا گنج بخشؒ ایک خواجہ غریب نوازؒ ایک بابا فریدالدین شکر گنجؒ ایک خواجہ نظام الدین اولیاؒ ایک خواجہ گیسو درازؒ ایک مجدد الف ثانیؒ ایک خواجہ نور الدین ولیؒ نے کس طرح اپنے حسن

اخلاق، اپنے حسن عمل، اپنی سیرت و کردار، اپنی نیک نیتی سے اعلانِ کلمۃ الحق کیا اور ان نفوس میں رسائل و وسائل کے فقدان کے باوجود ان کی آواز جہاں جہاں پہنچی، ایمان و ایقان کے دریا ٹھاٹھیں مارنے لگے ان کی نگاہوں نے حق و باطل میں امتیاز کرنا سکھایا اور ان کے چراغوں سے چراغ روشن ہوئے وہ آج بھی اسی اسلام کے حسن کو درخشاں اور تابناک کر رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے خیر الامم قرار دیا۔ جو ازلی ہے، جو ابد تک رہے گا جس کی حیات کا ضامن خود مالک یوم الدین ہے جس کی بقا کے لئے وہ کسی مودودی اور کسی جماعت اسلامی کا محتاج نہیں جس کے احیا کے لئے کسی کو قید، جلاوطنی اور ضبط اموال اور تباہیٔ اہل و عیال کے خطرات "سہنا" نہیں پڑتے — یہ سہنے کا مقام ہے ہی نہیں — اہل ایمان کے لئے تو انعامات ہیں۔ یہ توفیق ہر ایک کو نصیب نہیں کہ رب العزت کے دین متین اور حکومت الٰہی کے قیام کی خاطر تن من دھن کی بازی لگائے۔

این سعادت بزور بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اور جسے یہ سعادت ملتی ہے۔ وہ جان سے کھیلنے کو شہادت، مال و زر اہل و عیال اور دوسرے خطرات میں کودنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اور ہر قربانی پیش کرتا ہے — کہ اے کاش میرے پاس اور بھی کچھ ہوتا کہ اس مرحلے پر نذر کرتا۔ یہ رب کی عطا ہے جو نے اسی کی راہ میں لوٹا دی —

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

مولانا کی جماعت اسلامی اگر واقعی جماعت اسلامی ہوتی، تو اس کا سرچشمہ رب العزت کی ذات ہوتی، اس کا حصار حضور سرکار دو عالم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوتی، اس کا اسوہ صحابہ کرام کا شعار ہوتا، اس کا منبع آئمہ طریقت و شریعت کا کردار ہوتا۔ اس کا تقاضہ تحفظ اہل اسلام ہوتا۔ وہ سیاست کی بجائے خدمت کو

اپنا وظیفہ بناتے اور اسلامیان ہند کے سیرت و کردار کو بدلنے کے لیے لفظی قلابازیاں کھانے کو ضروری نہ سمجھتے۔ صفحہ ۱۱ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

"اس واقعہ سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ہندوستان کو اصلی اسلامی حکومت، خالص اسلامی اخلاق اور حقیقی اسلامی تمدن سے لذت آشنا ہونے کا کبھی موقعہ ملا ہی نہیں۔ گزشتہ زمانے میں مسلمان بادشاہوں نے، مسلمان امراء نے مسلمان حکام اور اہلکاروں اور سپاہیوں نے مسلمان زمینداروں اور رئیسوں نے اور مسلمان عوام نے اپنے برتاؤ سے اسلام کا جو نمونہ پیش کیا، وہ ہرگز ایسا نہ تھا کہ اس ملک کے تمام باشندوں کو اسلام کا گرویدہ بنا سکتا۔ بلکہ اس کے برعکس نفسانی اغراض کے لئے جو کشمکش ان کے اور غیر مسلم عناصر کے درمیان مدتہائے دراز تک برپا ہوتی رہی، اس نے اسلام کے خلاف مستقل تاریخی تعصبات پیدا کر دیئے"

اس "واقعہ" سے ہم انکار کرتے ہیں — واقعہ صرف یہ ہے کہ ہندو مورخین اور ہندو کانگریسی لیڈروں نے "مسلمان بادشاہوں، مسلمان امراء حکام، اہل کار سپاہیوں، زمینداروں، رئیسوں اور مسلمان عوام" کو بیک جنبش قلم ذلیل، تنگ نظر اور بدکردار ٹھہرایا اور وہی مولانا کی بصیرت کا سرچشمہ بنے۔ دنیا میں وہ کون سا ملک ہے جو صدیوں کسی غیر قوم کے زیر نگیں رہا۔ تم اور اس کے حقیقی باشندوں کا مذہب ان کے عقائد ان کے تصورات، ان کی انفرادیت، ان کی خوشحالی اور ان کے کردار کی ذاتی نوعیت اس قدر واضح اور نمایاں ہو، جس قدر ہندوستان میں آٹھ سو برس کے طویل زمانے میں ہندوؤں اور سکھوں کو نصیب ہوئی — کیا دنیا کا کوئی مورخ دنیا کی کسی اور غالب قوم کو اس فراخ دلی اور شرافت کا اہل ٹھہرا سکتا ہے۔ یہ صرف مسلمان ہی کا ظرف و خمیر ہے۔ یہ مسلمان بادشاہ اور امراء جن کا حوالہ مولانا دیتے ہیں، باہر سے آئے تھے

لیکن حکام، اہلکار، سپاہی، زمیندار، رئیس اور عوام کون تھے؟ کیا یہ سب غیر ملکی تھے کیا یہ حقیقت نہیں کہ ان کی غالب اکثریت خاندانِ غلاماں کے بادشاہوں کے حسن سیرت و کردار سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوتی تھی مولانا کو تاریخ ہند کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہوتا تو وہ ہرگز ہرگز نہ کہتے کہ مسلمانوں کا برتاؤ ہندوؤں سے اچھا نہ تھا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کسی مسلمان بادشاہ یا امیر نے کسی حاکم یا اہلکار نے اس بدکرداری کا سلوک اپنے غیر مسلم عوام سے نہیں کیا، جو عیسائی انگریزوں نے اس ملک کے عوام سے روا رکھا۔ جو ظلم انگریز نے ڈھائے اس کا شائبہ تک مسلمانان ہند کے کردار سے نہیں ملتا۔ نہ جانے مولانا اتنی دور کی کوڑی کہاں سے لائے ہیں۔ اسلام کا بدترین دشمن بھی ہندوستان کے حکمرانوں پر اتنا کریہہ الزام نہیں لگا سکتا تھا۔ بات وہی ہے۔ مولانا کا کانگریسی ذہن نہ اسلام کو سمجھ سکا نہ یہاں کے مسلمانوں کو — وہ اپنے اقتدار اور حکومت کے خواب دیکھتے ہوئے تمام مسلمانوں کو غیر مسلم اور تمام مسلم لیڈروں کو جاہل اور بے خبر ٹھہراتے رہے۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔

اس ملک میں ہندو اور مسلم کے درمیان جو خلیج پیدا ہوئی وہ انگریزی علمداری کی سیاسی سلطنت کا حاصل تھی، اس کا ایک ہی کلیہ، ایک ہی قاعدہ، ایک ہی اصول تھا — بانٹو اور راج کرو — وہ اپنے عوام کو فرقوں، اور چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بانٹتے رہے اور اپنی معمولی سی طاقت سے حکومت کرتے رہے انھوں نے رفتہ رفتہ ہمارے ذہنوں میں زہر داخل کیا، ہماری نگاہوں کو ناپاک تصورات سے ملوث کیا، ہماری آنکھوں پر تعصبات کی پٹیاں باندھیں، ہمارے پست اور گھٹیا درجے کے لوگوں کو اپنی نوازشات سے سربلند کیا اور ان کی بے دینی، خود غرضی، جاہ پسندی اور بدکرداری کو آلۂ کار بنا کر ہمارے دلوں میں چور داخل کئے، اور ہم اپنی عظمت رفتہ سے روگرداں ہو گئے، ہم نے انگریزی تعلیمات کو شیر مادر سمجھ کر قبول کیا۔ وہ تعلیمات جن کا مقصد ہمیں بہکانا اور اپنی ذات سے شرمندہ

کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ سب کچھ انگریز کی سیاست کا نتیجہ تھا۔ لیکن کوئی بتائے کہ
مسلمان حکمرانوں نے ہندوؤں کے عقائد اور مذہبی تصورات کو کب اور کہاں ملیامیٹ
کیا۔ ان کے دین میں کب تنگی لگائی۔ ان کے معاشرے کو کب اور کہاں بدلا ہے۔ ہندوستان میں
مسلمانوں کے دور حکومت میں ایک ہی بات نمایاں نظر آتی ہے کہ انھوں نے کچھ کیا تو یہی کہ یہاں
کے غیر مسلم عوام کی دلجوئی اور دلداری کے لئے اپنے عقائد میں تخفیف و ترمیم کی اور اسی انداز فکر
نے اکبر کے دین الٰہی کی صورت اختیار کی۔ ہو سکتا ہے کہ یہی مولانا مودودی کے تصورات کا
ماخذ ہو۔ اور وہ اپنی حکومت الٰہی کے ڈانڈے اکبر کے دین الٰہی سے ملانے کے درپے ہوں
ورنہ انکی نگاہ ٹھوس حقائق سے یوں روگردانی نہ کرتی ان کے خیالات صحت و حقیقت کے
اس قدر منافی نہ ہوتے اور انھیں پاکستان کے پاک اور خالص اسلامی مطالبے سے اتنی
چڑ نہ ہوتی۔

مولانا نے ہندوستان کے تمام مسلمان حکمرانوں اور آٹھ نو سو سال کے ہر قسم کے
مسلمانوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک کر انھیں اخلاقی اور معاشرتی بدکرداری کا مرتکب،
گردان کر جس تاریخی شعور کا اشتہار دیا ہے وہی ان کی قابلیت کو پرکھنے کے لئے کافی ہے
کاش وہ جانتے کہ حکمران کی ساحری کیا ہوتی ہے۔ کاش وہ اپنی انا کے گنبد سے نکل کر دیکھتے
کہ انگریز نے کس سفاکی سے آسٹریلیا اور امریکہ کے حقیقی باشندوں کو یا تو سرے سے ختم ہی
کر دیا اور اگر جینے کا حق دیا بھی تو اچھوتوں سے بدتر قرار دے کر۔ اگر مسلمان نے بھی اسی
اخلاق کا مظاہرہ کیا ہوتا تو بھارت میں نام کو بھی ہندو نہ ملتا۔ اس عالی نظری اور عالی ظرفی
کا حق بھارتی ہندو نے جیسے ادا کیا وہ تو تاریخ کا ایک لرزہ خیز ورق ہے ہی لیکن مولانا نے
ہندو کے دلی فریب کو جس انداز میں تسلیم کیا ہے اور امر واقع بنا کر پیش کر دیا وہ
قابل غور ہے۔

تو پھر ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ مولانا نے تاریخ ہند کا مطالعہ ہندو ذہنیت کے زیر اثر کیا کہ

یہاں جو کچھ ہوا غلط تھا۔ یہاں کے مسلمان غلط ہیں، ان کے عقائد غلط ہیں، انکی ذہنیت غلط
ہے، ان کے لیڈر غلط ہیں، اس لئے آج تک یہاں جو کچھ اسلام کے نام پر ہوا اسے حرف
غلط کی طرح مٹا کر اس اسلام کی داغ بیل ڈالی جائے جو صرف مولانا مودودی کے
نزدیک صحیح ہے۔ وہی ایک حق پرست ہیں۔ باقی سب باطل پرست۔

ارشاد ہوتا ہے:۔

ولو یشاء اللہ لانتصر منہم ولکن لیبلوا بعضکم ببعض (محمد-۱)

یعنی یہ نہ سمجھنا کہ اللہ اپنے باغیوں کی سرکوبی خود نہیں کر سکتا اس لئے تم
سے مدد مانگتا ہے۔ نہیں، وہ اتنی زبردست طاقت رکھتا ہے کہ چاہے
تو ایک اشارے میں انکو تباہ کر کے رکھ دے۔ اور اپنے دین کو خود قائم کر دے
مگر اس نے یہ جہاد اور محنت اور قربانی کا بار تم پر اس لئے ڈالا ہے کہ تم
انسانوں کو ایک دوسرے کے مقابلے میں آزمانا چاہتا ہے۔ جب تک
باطل پرستوں سے تمہارا تصادم نہ ہو اور اس تصادم میں مصائب
و شدائد اور خطرات و مہالک پیش نہ آئیں، سچے اہل ایمان جھوٹے
مدعیوں سے ممیز نہیں ہو سکتے۔ اور جب تک ناکارہ لوگوں میں سے
کار آمد آدمی چھٹ کر الگ نہ ہو جائیں وہ جتھا نہیں بن سکتا جو خلافت
الٰہی کی ذمہ داری سنبھالنے کا اہل ہو۔“

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کی تھی کہ آخری زمانے میں علمائے
سوء پیدا ہوں گے۔ جو اللہ اور اللہ کے حبیب پر اتہام باندھیں گے اور قرآن و حدیث
سے وہ مطالب و معانی اخذ کریں گے جو انھیں راس آئیں اور ان کے مقاصد و مفاسد کیلئے
مفید مطلب ہوں۔ اسی کا مظاہرہ یہاں ہو رہا ہے۔ قرآن حکیم کی آیت سے مولانا نے
ثابت فرمایا ہے کہ وہ جو ان کے ہم خیال نہیں ہیں ”باغی“ ہیں جن کی سرکوبی کا فریضہ مولانا

کے نازک کندھوں پر ڈال دیا گیا ہے تاکہ انھیں آزمائیں، ــــ ہم پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے مولانا کے کان میں کب پھونکا تھا کہ وہ مسلم لیگ اور اس کے قائدین کو "باغی" سمجھتا ہے۔ اور اس نے ازراہِ کرم ان کی "سرکوبی" خود کرنے کی بجائے جماعت اسلامی کے ذمے کر دی ہے۔ تاکہ وہ جہاد، محنت، اور قربانی سے اس کارِ خیر کو سرانجام دیں۔ کیا یہ سب دین کے نام پر فتنہ انگیزی نہیں جس کو قرآن "اشدمن القتل" قرار دیتا ہے۔ کیا مولانا نے اپنی سیاسی سوجھ بوجھ اللہ کے مقدس نام پر نہیں تھوپی۔ اور اسے (خاکم بدہن) اپنی بصیرت و بصارت کا حامل نہیں ٹھہرایا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ وہ جہاد کیا ہوا جس کا "حکم" انھیں اللہ نے دیا تھا۔ اگر اللہ نے ان کی مدد نہیں کی تو مسلم لیگ اور اس کے قائدین اپنے عظیم مقصد میں کیسے کامیاب ہوئے۔ اور مولانا جس حصول پاکستان کو معجزہ کہتے تھے کیسے رونما ہوا۔ اگر اللہ کریم نے مسلم لیگ سے کام لیا تو اس کے عائدین کو "اللہ کا باغی" کہنا اللہ پر افترا و بہتان باندھنا، نہیں تو اور کیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ شر اور فتنے کا یہ طومار خود مولانا کو اللہ کا "باغی" قرار دیتا ہے اس نے سچے اہل ایمان کو نصرت عطا کی اور جھوٹے مدعی کو ممیز فرما دیا اس کے بعد اگر مولانا میں رتی برابر غیرت اسلامی ہوتی تو وہ اپنے ناپاک عزائم سے تائب ہو جاتے۔ اپنی غلط روی کا اعتراف کرتے اور اپنی حیات کے باقی ماندہ دن یادِ الٰہی اور استغفار کے ورد میں گزار دیتے۔ لیکن انھیں ابلیس نے بھوتے پر لگا رکھا تھا۔ وہ بزعم خویش نظام اطاعت الٰہی اور حکومت الٰہیہ اور جماعت اسلامی کے نام پر لوگوں کو مسلم لیگ اور اس کے قائدین کے خلاف بھڑکاتے رہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے انھیں اس کفر و منافقت کی آگ میں جلا کر بھسم کر دیا اور آج وہ ساری قوم کے سامنے خاسر و خائن کی حیثیت سے کھڑے ہیں۔ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اگر اس کے بعد بھی کسی کو یہ گمان ہے کہ مولانا کی نیت نیک تھی، وہ واقعی اسلام کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھے، وہ واقعی اسلام کی روایات کو زندہ کرنا چاہتے

تھے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ۱۹۴۲ء کی اس تصنیف کے بعد مولانا نے اپنے رویئے کی تلافی کی کیا انھوں نے ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۷ء تک کسی مرحلے پر یہ محسوس کیا کہ وہ جو کچھ سمجھتے تھے غلط تھا۔ اور مسلمانانِ ہند کے لئے قیام پاکستان ہی واحد حل ہے۔ قائداعظم علیہ الرحمتہ بار بار قوم کو یقین دلا رہے تھے کہ پاکستان میں نظامِ اسلام ہی بروئے کار لایا جائے گا اگر مولانا کو قائداعظم، قائد ملت نواب بہادر یار جنگ ــــ اور دوسرے لیگی لیڈروں کے ان بیانات پر اعتماد نہ تھا جو انھوں نے ۱۹۴۲ء تک مختلف مقامات پر دیئے اگر انھیں ان قائدین کی نیت پر شبہ نہ تھا اور وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ ان کا جذبہ ساری قوم کو اپنے ساتھ لئے جا رہا ہے۔ اور وہ اپنے مقاصد کا اعادہ کرتے ہوئے بار بار کہہ رہے ہیں کہ :ــ

"اس حقیقت سے سوائے جہلا کے ہر شخص واقف ہے کہ قرآن، مسلمانوں کا ضابطۂ اخلاق ہے۔ جو مذہب، معاشرت، تجارت، عدالت فوج، سول اور فوجداری کے تمام قوانین کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے مذہبی رسوم ہوں یا روزمرہ کی زندگی کے عام معاملات، روح کی نجات کا سوال ہو یا بدن کی صفائی کا، اجتماعی واجبات کا مسئلہ ہو یا انفرادی حقوق کا ان تمام معاملات کے لئے اس ضابطے میں قوانین موجود ہیں"

(حضرت قائداعظمؒ ــــ عید کا پیغام ۱۹۴۵ء)

جون ۱۹۴۵ء میں آپ نے فرمایا :

"پاکستان سے مطلب یہ نہیں کہ ہم غیر ملکی حکومت سے آزادی چاہتے ہیں اس سے حقیقی مراد مسلم آئیڈیالوجی ــــ (MUSLIM IDIOLOGY) ہے جس کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔ ہم صرف اپنی آزادی ہی حاصل نہیں کریں گے بلکہ ہمیں اس قابل بھی بننا ہے کہ اس

کی حفاظت کر سکیں اور اسلامی تصورات اور اصولات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں ۔"

۱۲ نومبر ۱۹۴۵ء کو بانیٔ ملت نے فرمایا ۔

"مسلمان پاکستان کا مطالبہ اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اس میں اپنے ضابطۂ حیات، ثقافتی نشوونما، روایات اور اسلامی قانون کے مطابق زندگی بسر کر سکیں ۔"

کیا یہ اعلان کوئی "اللہ کا باغی" کر سکتا ہے جس کی "سرکوبی" کے لئے مولانا مودودی کو مقرر کیا گیا تھا ۔ کیا ان بیانات کے بعد مولانا مودودی کا یہ فرض نہیں تھا کہ وہ اپنے رویئے اور انداز نظر پر نظر ثانی کرتے ۔ اور اسلامی جمعیت کے ساتھ مل کر پاکستان حاصل کرتیں ۔ اپنی صلاحیت کے مطابق اسلامی خدمات انجام دیتے ـــــ یہ وہ زمانہ تھا جب بڑے بڑے مسلمان کانگریسی لیڈروں نے کانگریس کا ساتھ چھوڑا اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے ۔ یہ وقت تھا سچے اور جھوٹے کی آزمائش کا ۔ اس آگ میں کھوٹا اور کھرا نکھر آیا ۔ سچے نے دیکھ لیا کہ منزل قریب آگئی ہے ۔ اب کام کرنے کا وقت ہے ۔ جھوٹے کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی رہی ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں فیصلہ دے رکھا تھا ۔

خسر الدنیا والآخرہ (دنیا اور آخرت دونوں میں اسکے لئے خسارہ ہے)

چنانچہ مولانا بدستور پانی پی پی کر مسلم لیگ اور اس کے قائدین کو کوستے رہے ۔ خود کو سچا مسلمان اور باقی تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو جھوٹا ۔ خارج از اسلام، بے ایمان اور نہ جانے کیا کیا ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے حالانکہ وہ جمعیت کا مفہوم خوب سمجھتے تھے ۔ خطبات ص۲۲۲ پر فرماتے ہیں :-

"اسلام میں تمام کام جماعت کے ساتھ ہوتے ہیں، انفرادیت

کو اسلام پسند نہیں کرتا ۔"

کونسی جماعت کے ساتھ ؟ ـــ جماعت اسلامی کے ساتھ ۔ جس کی رکنیت کا فخر مولانا اور ان کے گنتی کے موافقین کو حاصل تھا ۔ وہ موافقین جن میں سے آج تقریباً تمام کے تمام منافقین میں شمار ہوتے ہیں ۔ یہ حشر ہوتا ہے اسلام کے اصولوں کی بیخ کنی کرنے کا یہ انجام ہے ان لوگوں کا جو قرآن حکیم کی آیات کو جان بوجھ کر توڑتے مروڑتے ہیں ۔ جو اپنی اغراض کی عینک سے حقائق کو دیکھتے ہیں، اور ہمیشہ وہی دیکھتے ہیں جیسے ان کے ذاتی مفادات انھیں دکھائی دیتے ہیں ۔ حالانکہ صورت حال کچھ اور ہوتی ہے ۔ ایسے لوگوں کو سوائے ذلت و رسوائی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا ـــ

خطبات کے ص۱۹۸ پر مولانا فرماتے ہیں :-

"کاش میں آپ کی ہاں میں ہاں ملا سکتا ۔ مگر کیا کروں کہ جو کچھ میں جانتا ہوں اس کے خلاف نہیں کہہ سکتا ۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جس حالت میں آپ اسوقت ہیں، اس میں پانچ وقت نمازوں کے ساتھ تہجد اور اشراق اور چاشت بھی آپ پڑھنے لگیں، اور پانچ پانچ گھنٹے روزانہ قرآن بھی پڑھیں اور رمضان شریف کے علاوہ گیارہ مہینوں میں ساڑھے پانچ مہینوں کے مزید روزے بھی رکھ

لیا کریں تو بھی کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ کیا کوئی مسلمان بقائمی ہوش و حواس اس تحریر کو کسی عالم دین سے منسوب کر سکتا ہے ــــ ؟ کیا کوئی مسلمان نماز، تہجد، اشراق، چاشت، قرآن حکیم اور روزوں کی بے حرمتی کا اس سے بدتر اظہار کر سکتا ہے جس شخص کا ایمان اس قدر فاسد ہو کہ وہ عبادات میں بندے اور خدا کے درمیان رشتۂ حیات تلاش نہ کر سکے اور جو اتنا نہ جانتا ہو کہ قرآن حکیم کی پانچ گھنٹے یومیہ کی تلاوت غافل سے غافل مسلمان کو بھی راہ ہدایت دکھانے کے لئے کافی ہے وہ خود کو عالم دین کہے حیف صد حیف۔ اگر کسی مسلمان کی حیات میں عبادات در یاضت، صوم و صلوٰۃ، تلاوت کلام پاک سے وہ اسلامی تصور نہیں ابھرتا، جو مولانا مودودی کے نزدیک ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے تو پھر انکی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیا یہ محض تضیع اوقات کے لئے ہیں۔ یا مولانا مودودی اپنی جہالت اور خودستائی میں اللہ تبارک و تعالےٰ کے دین کی بنیادوں ہی کو اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں ہمیں اس جماعت اسلامی اس مولانا مودودی، اس تنظیم اور اس اسلام کی ہرگز ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے جو ہمیں قرآن حکیم اور اسلام کے بنیادی ارکان ہی سے منحرف کر دے۔ یہ کفر ہے۔ اور اس پر مولانا مودودی کے لئے ضروری ہے کہ وہ خدا سے معافی مانگیں، کسی مکتب میں بیٹھ کر اسلام کا پھر سے مطالعہ کریں، اور دیکھیں کہ مسلمان کے لئے عبادات و ریاضات کا مقام کیا ہے۔ لعنت ہے اس مودودیت پر جس میں پانچ وقت کی نمازوں کے ساتھ تہجد، اشراق، چاشت، پانچ پانچ گھنٹے روزانہ قرآن خوانی اور رمضان شریف کے علاوہ ساڑھے پانچ مہینوں کے روزے، کسی مسلمان کو سچا مسلمان نہ بنا سکیں۔ بی بلی چوہے لنڈورے ہی بھلے ــــ!

تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست ؟ — زیر گردوں عزّ تمکینِ تو چیست ؟
آں کتاب زندہ قرآنِ حکیم — حکمتِ او لایزال است و قدیم
رہزناں از حفظِ او رہبر شدند — از کتابِ صاحبِ دفتر شدند

مولانا نے اسلام کو مذاق سمجھ رکھا تھا۔ وہ اپنی خودغرضی اور دیوانگی میں جو منہ میں آتا تھا کہہ جاتے تھے۔ وہ دائیں بائیں آگے پیچھے غرض چاروں طرف ہر شخص، ہر تصور، ہر جماعت، ہر تنظیم اور خود اسلام پر ایسے رکیک حملے کر رہے تھے، جن کا اظہار اگر کوئی اور با مستثنےٰ مسلم کرتا تو خود یہی مولانا اس کو فنا کے گھاٹ اتارنے کا فتوےٰ صادر فرماتے۔

مولانا مودودی کی یاوہ گوئی اور جہالت نے بالآخر کانگرسی اور غیر کانگرسی علماء دونوں سے ان کے بارے میں وہی فیصلے دلوائے جن کے وہ مستحق تھے۔
جمعیت العلمائے ہند کے ناظم اعلےٰ مولانا مفتی کفایت اللہ نے اسی لئے لکھا کہ :-

"ــــ مودودی جماعت کے افسر ابوالاعلےٰ مودودی کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ کسی فقیر اور معتمد علیہ عالم کے شاگرد اور فیض یافتہ نہیں ہیں ــــ مسلمانوں کو اس کی تحریک سے علیٰحدہ رہنا چاہیئے۔"

مشہور عالم دین، اور مستند و مقبول مفکرِ اسلام مولانا سید سلیمان ندوی کا قول ان کی جماعت کے بارے میں یہ ہے۔ :-

"تمام راسخ العقیدہ علماء جماعت کے خلاف ہیں۔"

مولانا جمیل احمد تھانوی نے اپنی تحریروں کی بناء پر لکھا ہے :-

"مودودی صاحب کی کتابوں کا مطالعہ اور ان کی تحریک

شوکت مسلمانوں کے لئے مضر ہے"

الحمدللہ کہ مولانا مودودی کی ان تحریروں پر کسی نے کان نہ دھرے۔ وہ اختلافات کے شعلوں سے ملت کے تمام تر کاشانے کو جلا کر خاکستر کرنا اور قائداعظم کے مشن کو ناکام بنانا چاہتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس قسم کی باتوں سے تمام قوم میں دہشت اور جنون پھیل جائے گا۔ کچھ لوگ اس انتشار میں ان کے ہم نوا ہو جائیں گے۔ کچھ مخالفت کرنے لگیں گے اور یوں ان کی دکان چمک جائے گی۔ لیکن۔ ع

عمرہا بسا آرزو کہ خاک شدہ

شاعر مشرق علامہ اقبال علیہ الرحمتہ نے شاید انھیں کو مشورہ دیا تھا جسے انھوں نے قبول نہ کیا۔

اجتہاد اندر زمانِ انحطاط	قوم را برہم ہمی پیچد بساط
ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر	اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر!
عقلِ آبایت ہوس فرسودہ نیست	کارِ پاکاں از غرض آلودہ نیست

تنگ بر ما رہگذارِ دیں شداست

ہر لئیمے رازدارِ دیں شداست

(اسرار و رموز)

نوٹ:۔ ہم اب تک دیکھ چکے ہیں کہ مودودی صاحب کے تصورات و عقائد جماعتی شیرازہ بندی ہی نہیں، اسلام کے بنیادی ارکان سے ٹکرا رہے ہیں اس لئے ہم ان کے لئے مولانا کا القاب استعمال کر کے اس مقدس لقب کی بے حرمتی نہیں کریں گے چنانچہ آئندہ صفحات میں ہم انھیں مودودی صاحب ہی کہیں گے کیونکہ وہ مولانا کے خطاب کے اہل نہیں ہیں۔

قیام پاکستان اور مودودی صاحب

تو برمن چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

مودودی صاحب فرماتے تھے کہ:۔

"اگر پاکستان بن گیا تو وہ ایک "معجزہ" ہوگا"! الحمدللہ کہ یہ معجزہ رونما ہوا۔ اور فتنہ پردازوں، شرانگیزوں، منافقوں اور اسلام کے نام پر مسلمانوں کو فریب دینے والوں کو ذلیل و خوار ہونا پڑا۔ اب بھی وقت تھا کہ مودودی صاحب اپنی غلط ذہنیت کا اعتراف کر کے "تائب" ہو جاتے اور نیک نیتی سے اس تحریک کو اپنا لیتے ـــ یا پھر جب لات و منات کی خاطر انھوں نے اس کے قیام کی مخالفت کی تھی ان ہی کے ہو رہتے۔ لیکن حیرت ہے کہ وہ ـــ اسی پاکستان میں پناہ گزین ہوئے اور اس کے اندر بیٹھ کر اس کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے لگے

مملکت خداداد پاکستان نومولود تھی، اس کے سامنے ہزاروں ہزار مسائل تھے لاکھوں لٹے پٹے، بے گھر بے در بے سروساماں، بھوکے ننگے مہاجر جوق در جوق سر چھپانے کے لئے مارے مارے پھر رہے تھے۔ کاروبار معطل ہو رہا تھا۔ حکومت کی تنظیم، دفاتر کی تشکیل، معاشرے کی تدوین، بین الاقوامی مسائل اور ان کے علاوہ اور بے شمار مصیبتیں تھیں جو اس ملک کے حصے آئیں۔ اس کے باوجود جس ہمت و استقلال سے عوام نے حکومت کا ساتھ دیا اور اس ابتلا مصائب و پریشانیوں کا مقابلہ کیا، یقیناً قابل تحسین و آفریں ہے کہ

انھوں نے ایک زندہ قوم ہونے کا ثبوت دیا۔

اب ہر شخص کے کام کرنے کا وقت تھا۔ بالخصوص علمائے دین کے لئے ضروری تھا کہ وہ زخمی دلوں پر مرہم رکھتے اس عظیم ایثار و قربانی کیلئے، جو مسلمانوں نے پاکستان کے نام پر دی تھی، اللہ تعالےٰ کی بشارتیں دے کر ڈھارس بندھاتے۔ اور لوگوں کا ایمان، تازہ کرتے۔ جو خون پاکستان کے نام پر بہا تھا اس کی تقدیس و تحریم کا ذکر لطیفہ اپنے ہاتھ میں لیتے آبادکاری کے ضمن میں لوگوں کو حرص و ہوس سے بچنے کی ترغیب دیتے تاکہ لوگ زمینوں اور مٹی کے ڈھیلوں کے عوض ایمان نہ بیچ کھائیں۔ اس سلسلے میں مسلم لیگ ہی نہیں دوسری جماعتوں، انجمنوں اور حلقوں کا فرض بھی یہی تھا کہ وہ بے لوث کارکن بن کر پاکستان کو ایک ایسے معاشرے میں تبدیل کرتے جو قلیل سے قلیل مدت میں امن و سلامتی کو بحال کر دے اور ملک کی کشتی داخلی انتشار و خارجی خطرات کے بھنور سے نکل جائے۔

یہ وقت بہت سراسیمگی کا تھا کسی کو گمان بھی نہ تھا کہ ہندو اس قدر بہیمیت اور سفاکی کا مظاہرہ کریں گے سارے ہندوستان میں خونریز فسادات برپا تھے۔ حکومت کے وسائل محدود اور ایک نئی مملکت کے وجود کا بار گراں اس کے شانوں پر تھا۔ اللہ تعالےٰ نے ایسے نازک وقت میں حضرتِ قائداعظم کو اتنی مہلت عطا کی کہ وہ ہمارے ملک کی بنیادیں استوار کر دیں۔ اور ہمیں فوری طور پر سیاسی بھیڑیوں اور مذہبی دلیوالوں کے چنگل میں گرفتار نہ ہونے دیں۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے دو ماہ بعد آپ نے فرمایا:۔

"پاکستان کا قیام جس کے لئے ہم گذشتہ دس سال سے مسلسل کوشش کر رہے تھے۔ اب خدا کے فضل سے ایک حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آچکا ہے۔ لیکن ہمارے لئے اسی آزاد مملکت کا قیام مقصود بالذات نہیں تھا، بلکہ اسکا عظیم مقصد تھا کہ ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں، اور جس میں ہم اپنی روش اور ثقافت کے مطابق نشوونما پاسکیں، اور جہاں اسلام کے عدل عمرانی کے اصول آزادانہ طور پر روبہ عمل لاسکیں۔"

سوال یہ ہے کہ کیا مودودی صاحب نے وقت کی ضرورت کو محسوس کیا۔ کیا انھوں نے قائداعظم کے اس اعلان کو سننے کی زحمت گوارا کی ـــ وہ پاکستان میں از خود تشریف لائے تھے۔ اب تک جس ذہنیت کا مظاہرہ انھوں نے کیا تھا اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ یادھر کا رخ نہ کرتے۔ لیکن پاکستان کی وسیع النظری اور عالی ظرفی نے انھیں پناہ دی انھیں ان کی حیثیت سے کہیں بڑھ کر نوازا۔ اور جب وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوگئے تو وہی زہر جوان کی رگوں میں دوڑ رہا تھا لبوں سے پھوٹا۔ اور انھوں نے مصیبت زدہ اور پریشان حال و بے سروسامان مہاجرین کی مظلومیت کی آڑ میں پاکستان کے خلاف شر انگیزی اور فتنہ پروری برپا کی ـــ مودودی صاحب جو اپنی جماعت اسلامی کو فروغ دینے اور خدمت اسلام کے لئے ۱۹۴۲ء میں لوگوں سے ایثار و قربانی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ جو اسلام کے ٹھیکیدار بن کر متحدہ ہندوستان میں ایک صحیح نظام قائم کرنے کے لئے فرماتے تھے۔

"اپنا مال بھی قربان کرو۔ اپنے اوقات عزیز بھی صرف کرو اپنے دل و دماغ اور جسم کی ساری قوتوں سے کام لو۔ اور قید اور جلاوطنی اور ضبط اموال اور تباہیٔ اہل و عیال کے خطرات بھی سہو۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش ص ۱۲۸)

اب مودودی صاحب کو یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ پاکستان کے قیام کے لئے قوم کا خون کیوں بہا ـــ لوگ جلاوطن کیوں ہوئے۔ ضبط اموال اور تباہی اہل و عیال کیوں ہوئی ـــ ..... یعنی یہ کہ یہی کچھ مودودی صاحب کے حکم سے ہوتا تو بجا تھا۔ اور یہی کچھ،

قائداعظم کے پیچھے چل کر پاکستان کے قیام کے لئے فتنہ پرداز ہندوؤں کے ہاتھوں ہوا تو سراسر غلط ۔ ملاحظہ ہو :۔

"کیا یہ سب کچھ جو واقع ہوا محض ایک اتفاقی حادثہ تھا جو لوگ پچھلے تیس سال سے اس ملک کی رہنمائی کرتے رہے تھے، اور جن کی قیادت میں یہ انقلاب رونما ہوا وہ ایسا ہی کچھ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ اس فساد عظیم کے اسباب کی بحث کو باتوں میں ٹالنا چاہتے ہیں وہ اس کی ایک شاعرانہ توجیح ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں کہ کشت و خون اور ظلم وستم کا یہ مظاہرہ کوئی غیر معمولی نہیں ۔ جس پر کچھ فکر مند ہونے کی ضرورت ہو ۔ یہ تو ایک آزاد قوم کی ولادت کے درد ہیں، جو ایسے موقع پر ہوا ہی کرتے ہیں، حالانکہ اگر یہ ولادت کے درد ہی تھے ۔ تو یہ دنیا کو ایک درندے کی پیدائش کی خوشخبری دے رہے تھے نہ کہ ایک انسان کے تولد کی ۔۔۔ یہی وہ نتیجہ ہے جس سے بچنے کیلئے پچھلے دردناک واقعات کے اسباب کی بحث کو باتوں میں اڑانے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ کیونکہ یہ بحث ان سب لوگوں کا منہ کالا کر دینے والی ہے جنھوں نے پچھلی ربع صدی میں ہمارے ملک کی سیاسی تحریکوں کی قیادت فرمائی ہے " (ترجمان القرآن جولائی ۱۹۴۸ء ص ۵۹)

کوئی مودودی صاحب سے پوچھے کہ حضرت! آپ تو تباہی اہل وعیال، قید جلاوطنی اور ضبط اموال کے لیے قوم کو تیار کر رہے تھے ۔ کہ "ان راہوں سے گذرے بغیر دنیا میں نہ کبھی کوئی انقلاب ہوا ہے، نہ اب ہو سکتا ہے" وراگر اب پاکستان کے قیام کے لئے قوم کو ان راہوں سے گذرنا پڑا تو آپ کو اپنا لکھا بھی یاد نہ آیا! خود نوشت کو بھی فراموش کر دیا! ۔ اور اس کی ذمہ دار محض وہ عناد تھا جو

تھی، جس نے ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک مودودی صاحب کو اپنے رویے اور انداز فکر میں ترمیم کرنے کا احساس نہ دلایا تھا ۔ رسی جل گئی پر بل نہ گیا ۔ انھوں نے جتنے فتوے آج تک دیئے تھے ۔ جتنے دعوے اللہ اور اس کے قرآن حکیم کے نام پر کئے تھے، باطل ثابت ہوئے لیکن مودودی صاحب اپنی ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لئے جن لیگی لیڈروں کو اسلام سے بے بہرہ کہتے تھے اب ان کے قائم کردہ پاکستان میں پہنچ کر انھیں کو اس قتل و غارت کے لیے مورد الزام گردانے لگے اور اپنی جہالت فرزی کے لئے لکھنؤ کی بھٹیارنوں کی طرح "ان سب کا منہ کالا" ہونے کا طعنہ دینے لگے ۔ غور کا مقام ہے کہ پچھلی ربع صدی میں اس قوم کی سیاسی تحریکوں کی قیادت کن حضرات نے فرمائی تھی ۔ قائداعظم محمد علی جناح، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی، علامہ سر محمد اقبال، بہادر یار جنگ، علامہ عنایت اللہ مشرقی، اور پھر مولانا ظفر علی خاں احراری لیڈر، مولانا افضل حق، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، اور پھر جمعیت العلمائے ہند کے عمائدین مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید ۔ یہ اور اسی قبیل کے دوسرے لیڈر تھے جنھوں نے پچھلی ربع صدی میں ہمارے ملک کی سیاسی تحریکوں کی قیادت فرمائی تھی اور جن کا "منہ کالا" ہونے کا ثبوت مودودی صاحب پیش کر رہے تھے ۔ گویا اس قتل و غارت سے انھوں نے اپنی سیاسی بصیرت کا چراغ روشن کیا ۔ اور مسلمانوں کی لاش پر کھڑے ہو کر انھوں نے ان حق پرستوں اور مجاہدوں کو مورد الزام ٹھہرایا جن کی مساعی جمیلہ اور عزائم نے تاریخ عالم میں ایک ایسا کارنامہ کر دکھایا جس کی مثال نہیں مل سکتی ۔ اور ان کے ساتھ ان کو بھی لپیٹ لیا جو ان کے مخالف تھے اور مودودی صاحب کے ہمنوا ہو کر طرح طرح کے الزامات لگا کر وہ دشواریاں پیدا کر رہے تھے ۔ جن کا نتیجہ خونخوار فرقہ وارانہ فسادات تھے ۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ۱۹۴۶ء میں جب قائداعظم نے ساری قوم کو ایک مرکز پر آنے کی دعوت دی اور جب پیر پور رپورٹ سے کانگرسی لیڈروں کا "منہ کالا" ہوا تو مودودی صاحب مسلم لیگ کے نام پر

ہی معترض ہوئے اور یہ ارشاد فرمارہے تھے کہ مسلمان تو خود ایک جماعت ہیں، انھیں کسی دوسری جمعیت کے جھنڈے تلے آنے کی ضرورت نہیں ۔ اور جب تین برس کے بعد قائد اعظم کا یہ دعوائے حقیقت بن کر سامنے آیا کہ مسلم لیگ ہی سارے ملک کے مسلمانوں کی واحد جماعت ہے ۔ اور انھوں نے اعلان کیا۔

"میرے دس کروڑ ہم مذہب میرے اور صرف میرے کہنے پر دائیں بائیں، آگے پیچھے غرض جدھر بھی حکم دیا جائے جانے کو تیار ہیں"

تو مودودی صاحب نے اپنے پہلے بیان کی خود تردید کرتے ہوئے جماعت اسلامی کی بظاہر معصوم لیکن بباطن خوفناک تحریک قائم کی اور جب ان مخالفتوں کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا ۔ اور ہندو کانگرسی، مہاسبھائیت اور رام راجیہ، آریا سماج وغیرہ وغیرہ ہندو جماعتوں نے دیکھا کہ مسلمان ان کے چنگل سے نکلے جا رہے ہیں اور بہت جلد اپنی وحدت قائم کر کے ایک زندہ اور پائیدار قوم کی صورت اختیار کرنے والے ہیں، تو انھوں نے اپنی ہزار سالہ غلامی کے انتقام لینے کے لئے فسادات کی آگ بھڑکائی اور منظم ہو کر مسلمانوں پر حملے کئے ۔ اس وقت بھی وہ اپنے خیالات کے اظہار اور اپنی لیڈری کا خواب دیکھنے، سے باز نہ آئے، اور اس وقت بھی انھوں نے اسلامی جمعیت کا ساتھ دینے کی ضرورت محسوس نہ کی ۔ وہ بڑے بالغ نظر بنتے تھے ۔ وہ ہماری "ہاں میں ہاں" اس لئے نہ ملا سکے کہ "جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے" ـــــ اور جب پھر پاکستان منصۂ شہود پر آگیا اور کروڑوں مسلمانوں کو بالآخر ایک وطن نصیب ہوا اور خود مودودی صاحب کو کوئی چارۂ کار اس کے سوا نظر نہ آیا کہ اس کی آغوش میں پناہ لیں تو انھوں نے پھر مخالفت شروع کر دی اسلام کے نام کا وہی استعمال روا رکھا جس کے خلاف آپ لاٹھی لئے پھرتے تھے پھر وہی "جماعت اسلامی" تھی اور وہی مودودی صاحب پھر اسی ترجمان القرآن کے پردے میں

سیاسی نفاق کی ترویج واشاعت کی جا رہی تھی ۔ دنیا ادھر سے ادھر ہو گئی ۔ قوم میں انقلاب برپا ہو گیا اور اس نے اپنی زندگی کا ثبوت بھی دے دیا ۔ لیکن مودودی صاحب نے ۱۹۴۲ء میں اس کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا تھا، وہی کا وہی رہا ۔ اسوقت آپ نے لکھا تھا

"مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے لئے اس مسئلہ میں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ہندوستان میں جہاں جہاں مسلمان کثیر التعداد ہیں وہاں انکی حکومت قائم ہو جائے ۔ میرے نزدیک جو سوال اقدم ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے اس پاکستان میں نظام حکومت کی اساس خدا کی حاکمیت پر رکھی جائے گی یا مغربی نظریہ جمہوریت کے مطابق عوام کی حاکمیت پر اگر پہلی صورت ہے تو یقیناً یہ پاکستان ہوگا ۔ ورنہ بصورت دیگر یہ ویسا ہی "ناپاکستان" ہوگا جیسا ملک کا وہ حصہ ہوگا جہاں آپ کی اسکیم کے مطابق غیر مسلم حکومت کریں گے ۔ بلکہ خدا کی نگاہ میں یہ اس سے زیادہ ناپاک، اس سے زیادہ مبغوض وملعون ہوگا ۔ کیونکہ یہاں اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے وہ کام کریں گے جو غیر مسلم کرتے ہیں ۔"

تو صاحب "مسلمان ہونے کی حیثیت سے" مودودی صاحب کو اس سے "دلچسپی" نہ تھی کہ کثیر التعداد "مسلمانوں کی حکومت قائم" ہو جائے تو پھر وہ پاکستان میں کس حیثیت سے وارد ہوئے اور اگر آ ہی گئے تھے تو یہاں انکی حیثیت اس کے علاوہ کیا تھی کہ وہ ایک شہری تھے جن کا فرض اس ملک کی بنیادوں کو استوار کرنے میں دوسروں کی مدد کرنا تھا ہم پوچھتے ہیں کہ انھوں نے مہاجرین کی آبادکاری کے سلسلے میں "جماعت اسلامی" کے نام پر کیا کیا ۔ انھوں نے پاکستان کے نام پر جان دینے والوں کی عظمت و تقدیس کو کیا مقام دیا ۔ انھوں نے اسلامی معاشرے کو رضاکارانہ طور پر قائم کرنے کے لئے کیا اقدامات کئے ۔ یہ کام تھے ایک سچے مسلمان کے کرنے کے اب وقت تھا اسلامی نظام

کے قیام کے لئے مخلصانہ اور بے لوث خدمت کا۔ لیکن مودودی صاحب کو اقتدار کی ہوس نے کچھ نہ کرنے دیا۔ انھوں نے کیا تو یہی کہ قائدین ملک و قوم کو صلواتیں سنائیں "پچھلی ربع صدی میں سیاسی تحریکوں کی قیادت فرمانے والے" "تمام لوگوں کا "منہ کالا" ہونے کی پھبتی کسی"۔ فساد عظیم "کا تم کھایا تاکہ اس سے متاثر ہونے والے ان کی جھوٹی میں آپڑیں اور زندہ باد کے نعرے لگا لگا کر انھیں مسندِ امارت پر بٹھا دیں اور وہ سب کی روایات کو اکھاڑ پھینکیں اور "نئے سانچے" ڈھال کر نئی سیرتیں بنائیں ایسی سیرتیں جن کو خدا بھی "مودودی کی صورت میں نظر آئے اور قرآن کے معانی بھی وہی ہوں "جو ترجمان القرآن" انھیں بتائے۔

چنانچہ اسی اندازِ فکر نے مودودی صاحب کو "ترجمان القرآن" بابت جون ۱۹۴۸ء میں لکھنے پر مجبور کیا۔

> "یہی وہ اسباب ہیں جنھوں نے مل جل کر وہ ہولناک نتائج پیدا کئے جو ہماری آنکھیں ابھی ابھی دیکھ چکی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کی ذمّہ داری سے وہ لوگ بری نہیں ہو سکتے جو اس دور میں یہاں کی مختلف قوموں کے رہنما اور سربراہ کار رہے ہیں۔ یہی تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے ایک طرف اپنی اپنی قوم کے لوگوں میں قومی خواہشات برانگیختہ کیں، اور دوسری طرف قومی اخلاق کو سنبھالنے کے لئے کچھ نہ کیا بلکہ صحیح یہ ہے کہ اسے گرایا اور گرنے میں خود اسکی پیشوائی کی۔ اگر یہ اس کھیل کے نتائج سے بے خبر تھے، سخت اناڑی تھے۔ ایسے اناڑی اس قابل نہیں ہیں کہ کروڑوں انسانوں کی قسمتوں کے ساتھ بازی گری کرنے کے لئے انھیں چھوڑ دیا جائے۔ اور اگر انھوں نے جان بوجھ کر یہ سارا کھیل کھیلا تو درحقیقت یہ انسانیت کے اور خود اپنی قوم کے دشمن ہیں۔ ان کا صحیح مقام پیشوائی کی مسند نہیں، بلکہ عدالت کا کٹہرا ہے

جہاں ان کے اعمال کا محاسبہ ہونا چاہیئے"

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

اس سے بہتر تبصرہ اس پر ممکن نہیں۔ مودودی صاحب کو نہ تو ماحول نظر آیا نہ موجودہ مسائل کی خبر ہوتی۔ نہ یہ دکھائی دیا کہ دشمن دروازے پر کھڑا حملہ کرنے کی سوچ رہا ہے۔ نہ انھیں یہ یاد آیا کہ کشمیر پر مسلح بھارتی فوجیں مظلوم و بےکس مسلمانوں کو ختم اور ہندوانہ تسلط قائم کرنے کے لئے حملے کر رہی ہیں نہ انھیں شہدا کے اعزّہ واقربا کے چھلنی سینے نظر آئے۔ نہ انھیں ۵۰ لاکھ بے گھر اور بے یار و مددگار مہاجرین کے قافلوں کی چیخ و پکار سنائی دی۔ نہ انھیں پتہ چلا کہ مشرقی پنجاب اور ریاستوں میں ۵ لاکھ کے قریب مرد عورتیں اور بچے شہید کئے گئے ہیں۔ اور ہزاروں مسلمان بچیاں اور بچے اغوا کر لئے گئے ہیں۔ نہ انھوں نے یہ جاننے کی کوشش کی ـــــ کہ انکا کیا بنے گا۔ یہ ہمارے جگر گوشے یہ ماؤں کے لال، یہ ہماری عزتیں۔ یہ ہماری آبروئیں ـــ ان کا جی صرف یہ چاہتا تھا کہ حضرت قائدِ اعظم کو اپنے سامنے نعوذباللہ کٹہرے میں کھڑا کریں۔ انھیں قاتل قرار دیں اور اپنے ہاتھ سے انکو تختہ دار پر لٹکا دیں۔ اور اگر رحم آجائے تو انھیں اپنے ہاتھوں گولی مار دیں۔ اس کارِ خیر سے فارغ ہو کر وہ سیدھے گورنمنٹ ہاؤس پہنچیں اور تاجِ حکومت سر پر رکھ کر مسندِ امارت پر جلوہ افروز ہو جائیں۔ اور پھر وہ کریں جس کا اظہار آپ مدتوں پہلے کر چکے تھے ـــ یعنی تباہی و بربادی کا درس دے کر لوگوں کو بے گھر کریں۔ انھیں فقر و فاقہ میں مبتلا کر کے اپنا نام تاریخ عالم میں رہتی دنیا تک روشن کر جائیں ـــ لاحول ولا قوۃ الا باللہ سچ تو یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ مودودی صاحب کو زمام ستے کی بادشاہت ہاتھ آجاتی تو وہ اپنے "اناڑی" پن کا ثبوت دینے میں وہ کچھ کر گزرتے، جس کا کسی کو گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ ان کی سیاسی بصیرت نے قیام پاکستان کو ناممکن سمجھا۔ ان کی معرفت دین نے اللہ کے سر پر اتہام لگایا۔ کہ مسلم لیگی لیڈر "اللہ کے باغی" ہیں اور اب ان کی

حب الوطنی ان باغیوں کو ٹھکانے لگاکر اپنا راستہ صاف کرنا چاہتی تھی۔ انھیں موجودہ مسائل کا ہوش نہ تھا۔ تھا تو اس بات کا کہ " ایسے اناڑی اس قابل نہیں ہیں کہ کروڑوں انسانوں کی قسمتوں کے ساتھ بازی گری کرنے کے لئے انھیں چھوڑ دیا جائے " ۔ انھیں پکڑا جائے۔ ملک میں انتشار پیدا کیا جائے ۔ انتشار بالائے انتشار ۔ بدنظمی، معاشرتی بدامنی، بے چینی ان کے سہارے مودودی صاحب کرسی امارت پر بیٹھنے یا کمیونسٹ، جو اسی قسم کے الزامات لگاکر " یہ وہ سحر تو نہیں " کے ترانے گا رہے تھے! ۔ اس کی خبر بھی مودودی صاحب کو نہ تھی۔ وہ تو بس اپنی ناکامی اور شکست کا انتقام " اناڑیوں " سے لینا چاہتے تھے، قوم اور ملک جائے جہنم میں! ۔ اس کی پرواہ پہلے انھیں کب تھی جواب ہوتی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

" یہ خیال کرنا سخت حماقت ہے کہ جو کچھ ہو گزرا ہے وہ اس قومی کشمکش کا آخری باب تھا۔ اور یہ کہ اب تقسیم ملک کے بعد تاریخ ایک صحیح راستہ پر چل پڑے گی۔ ہرگز نہیں۔! حقیقت یہ ہے کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی تقسیم سے یہاں جو دو حکومتیں بنی ہیں، انھوں نے قومی خود غرضی اور اخلاقی پستی کا وہ سارا زہر میراث میں پایا ہے جو قبل تقسیم کے ہندوستان کی رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا، اور ان دونوں مملکتوں کی پیدائش کا آغاز جن سخت المناک حالات میں ہوا ہے وہ انکی آئندہ تاریخ پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اگر اب دونوں مملکتوں کے باشندوں کو ہوش نہ آیا۔ اگر اب بھی انکی لیڈر شپ تبدیل نہ ہوئی اور اگر اس نئے دور میں بھی انکے معاملات اس اندھی اور گندی قوم پرستی پر اور اس مادہ پرستانہ اخلاق پر چلتے رہے جس پر اب تک وہ چلے ہیں۔ تو آئندہ ان با اختیار قوموں کی کشمکش بہت بڑے پیمانے پر بدرجہا زیادہ تلخ نتائج پیدا کرے گی " (ترجمان القرآن ۱۹۴۸ء صفحہ ۶۲)

دیکھا آپ نے مودودی صاحب بدستور الہامی فیصلے صادر کرتے جا رہے ہیں۔ اپنے سابقہ فیصلوں کی ناکامی بھی انھیں اپنے بارے میں نظر ثانی کرنے پر مجبور نہ کر سکی۔ انھیں غم ہے تو موجودہ لیڈر شپ کا۔ جو انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ وہ اسے برابر مجرم ٹھہرا رہے ہیں، حالانکہ یہی وہ باتدبر اور ہوشمند قائدین تھے جنھوں نے دس برس پہلے اس اندھی اور گندی فرقہ وارانہ عصبیت اور مادہ پرستانہ اخلاقی پستی کا کھوج لگایا تھا جو ہندوؤں اور کانگرس کے رگ و پے میں موجزن تھی۔ مودودی صاحب اور ان کے ہمنوا تو آج اس کے تلخ نتائج پر ماتم کرنے کو باقی رہ گئے تھے۔ لیکن اگر قائد اعظم علیہ الرحمتہ اس کا علاج نہ کرتے تو اور ہندو مہاسبھائیت کو وہی کچھ کرنے کی چھٹی مل جاتی جو اس کے پیش نظر تھی تو وہ دن بعید نہ تھا جب کسی مسلمان کا نام و نشان ..... بھی اس برصغیر میں نہ ملتا جب ہندو وانہ بہیمیت اس سرزمین پر بھی وہی ننگا رقص کرتی، جو ہسپانیہ میں۔ رومن کیتھولکوں نے بارتھولومیاڈے (BARTHOLOMIA DAY) پر کیا تھا۔ مودودی صاحب جنھیں اناڑی ہونے کا طعنہ دے رہے ہیں وہی ان کے محسن تھے، وہی اسلام کے حقیقی خیر خواہ تھے، وہی مسلمانان ہند کے ملجا و ماویٰ تھے، وہی تھے جنھیں اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوبؐ کی امت کو بچانے پر مامور کیا تھا۔ ورنہ مودودی صاحب تو اپنی گدی کی فکر ہی سے فارغ نہیں ہو سکے" وہ کسی کو اپنی ذاتی پستی سے بلند ہو کر کیا دیکھتے۔ کون ہے جو عالم دین ہونے کا دعویٰ تو کرے لیکن کروڑوں مسلمانوں کے عزائم کے ترانے ہوئے پاکستان کو اللہ کا انعام و احسان نہ ٹھہرائے۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ مودودی صاحب امتِ محمدیؐ پر وارد شدہ ابتلا کا ذمہ دار تو مسلم لیگی لیڈروں کو سمجھتے ہیں۔ لیکن قیام پاکستان کے لئے رب العزت کی بارگاہ میں، ایک سجدہ شکر نہ ادا کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتے۔ یہ کیسا اسلام ہے؟ ۔ یہ اللہ کی دنیا کیسی ہے جس میں علمائے دین بھی غافل اور پروردگار کے باغی۔ اور انکی نگاہوں کی میں موجودہ لیڈر شپ کو بدلنے کے علاوہ "کسی بات کو اہمیت نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:-

"لہٰذا اب پاکستان اور ہندوستان دونوں کے مستقبل کی بہتری کا انحصار اس بات پر ہے کہ اگر ان کی آبادیوں میں شریف، معقول اور خدا ترس انسان کا کوئی عنصر موجود ہے وہ منظم ہو کر اٹھے اپنی قوم کی ذہنیت بدلنے کی کوشش کرے۔ اور موجودہ قیادتوں کو تبدیل کر کے ایسے طریقہ پر دونوں ملکوں کے معاملات چلائے جس سے ان کے تعلقات شریفانہ ہمسائگی اور منصفانہ تعاون پر قائم ہو سکیں۔"

لیجئے ابھی ابھی فرمایا جا رہا تھا کہ "تقسیم سے یہاں جو دو مملکتیں بنی ہیں، انھوں نے قومی خود غرضی اور اخلاقی پستی کا وہ سارا زہر میراث میں پایا ہے۔ جو قبل تقسیم کے ہندوستان کی رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا۔ اب ان زہر خوردہ مملکتوں میں مودودی صاحب "مافوق البشر" حیثیت اختیار کر کے "شریف" "معقول اور خدا ترس" انسانوں کا عنصر تلاش کر رہے ہیں جو ایک طرف اپنی قوم کی ذہنیت کو بدلے اور دوسری طرف موجودہ قیادتوں کو بدل دے۔ سچ ہے کوئی نادان ہی مودودی صاحب کی حالت زار پر ترس کھا کر قیادت کی بھیک انکی جھولی میں ڈال سکتا تھا۔ ورنہ انھیں تو عام شہریوں کی طرح یہ حق بھی نہیں دیا جانا تھا کہ لب کشائی کریں اور شاہ مدار بن کر کچلے ہوئے زخم خوردہ پریشان حال عوام کو اور مارنے کا فریضہ سر انجام دیں ہوس اقتدار کا دیوانہ کشمیر میں لاکھوں مسلمانوں کے بہتے خون اور بھارتی فوجوں کے غاصبانہ حملے کے وقت بھی" دونوں مملکتوں" کے "شریف اور خدا ترس" انسانوں کا عنصر ڈھونڈ رہا تھا، تاکہ "شریفانہ ہمسائیگی اور منصفانہ تعاون" کا سلسلہ، چھڑ جائے۔ دراصل اپنی کم نظری اور جہالت کا ثبوت دے رہا تھا۔ اور اس کے دل میں چھپی ہوئی ایک ہی آرزو اس کی غمازی کر رہی تھی، کہ یہ حد جو دونوں ملکوں کے درمیان حد فاصل بن گئی ہے ختم ہو جائے اور اسے "متحدہ ہندوستان" کا امیر بنا دیا جائے۔ پھر جو گھر پھونک تماشہ ہو، اس سے ساری دنیا کو مزا آ جائے۔ اللہ اکبر! ان بلند بانگ

دعاوی اور ترجمان القرآن" کے پردے میں کس ذہنیت کو پرورش کرنے کی کوشش کی گئی۔ لاکھوں مسلمان کا خون، ہلاکت، مظلومیت، یتیمی، کس مپرسی، بے گھری بے سروسامانی اور ایک نو مولود ملک کے مسائل سے بھی جس شخص کا بے رحم کلیجہ نہ پسیجا اور جو لیڈروں کو بدلنے کے چکر لگا کر ایک اور خونریز انقلاب کا مطالبہ کر تا رہا اس شخص کا نام ماں باپ نے۔ ابو الاعلیٰ رکھا اور اس نے سلسلہ چشت کی عظیم اور مایہ ناز شخصیت حضرت مودود چشتیؒ سے اور خاندان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی نسبی نسبت کو وسیلہ بنا کر خود کو "سید ابوالاعلیٰ مودودی" کا حسین نام دیا۔ پاکستان مسلمانان پاکستان اور قائدین پاکستان کو مٹانے کے لیے خطرناک منصوبے باندھ رہا تھا۔ محض اس لئے کہ اس کے علاوہ اس ملک میں کوئی دوسرا قائد کیوں ہو گیا ہو۔ کس لئے ہو۔ خود ستائی اور خود نمائی کی اس سے بدتر مثال شاید ہلاکو اور چنگیز بھی نہ پیش کر سکے۔ کہ انھوں نے جو کچھ کیا کسی دین، اور کسی عقیدے کے پیش نظر نہیں کیا۔ وہ جاہل تھے۔ اور لوٹ مار کرنے کے لئے باہر نکلے۔ یہاں ایک بر خود غلط عالم دین ہے جو اپنے اقتدار کے لئے ان سے بدتر حربے استعمال کرنے سے بھی نہیں چوکتا۔ جو اسلام کے حسین اور عظیم نام کو ذلیل کرنے سے نہیں ڈرتا۔ جسے نہ خوف خدا ہے، نہ حشر و نشر کا غم ہے۔ جسے اپنی کوتاہی نظر کا گمان بھی نہیں۔ جو ساری دنیا کو اندھا سمجھتا ہے۔ لیکن اپنی آنکھوں کے سیاہ چشمے کو نہیں اتارتا ایسے ہوس اقتدار کے شیدائی اور مغرور عاشق لیلائے حکومت کی جگہ سیاسی اسٹیج نہیں جیل کی کال کوٹھری ہے یا پاگل خانہ۔

ہو سکتا ہے کہ ہم مودودی صاحب کے مفروضات کو نہ سمجھتے ہوں، اور وہ جو کچھ کہہ رہے تھے، وہ دیانت داری، خلوص اور ایمانداری پر مبنی ہو۔ لیکن ہر بات کا ایک محل ہوتا ہے۔ بے موقعہ اور بے وقت راگنی تان سین کی ہو، تو بھی بری لگتی ہے اور با موقع اور با محل ڈھولکی بے سری بھی ہوگی، تو بھی برداشت کر لی جائے گی۔ سوال

یہ ہے کہ کیا مودودی صاحب جو کچھ کہہ رہے تھے وہ وقت کے تقاضے کے مطابق تھا ۔ کوئی صحیح الرائے شخص اس سے اتفاق نہیں کریگا — رہی انکی دیانت داری ، اور ایمان داری تو اس کے سلسلے میں فرماتے ہیں : —

" میرے نزدیک اس سے بڑھ کر مسلمانوں کے ساتھ خیانت اور بدخواہی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ آدمی حق گوئی کے بجائے پبلک کی رضا جوئی کو اپنا مسلک بنائے اس قسم کے بہت سے مفتی لیڈر اور مقرر پہلے سے مسلمانوں کے پاس موجود ہیں ۔ وہ انکی خواہشات نفس کو تسلی دینے والی باتیں کہنے ، اور لکھنے کے لئے کافی ہیں ۔ میں بہرحال اپنے آپ کو اس زمرے میں شامل نہیں کر سکتا مجھے قوم کی خوشنودی سے بڑھ کر خدا کی خوشنودی عزیز ہے اگر قوم اس راہ پر چلنا چاہے جس میں خدا کی خوشنودی ہے تو میں اس کی خدمت کے لئے حاضر ہوں ورنہ میں خدا کی خوشنودی کے پیچھے رہوں گا اور قوم کو اختیار ہے جدھر چاہے جائے "

یہ تحریر جون ۱۹۴۸ء کے ترجمان القرآن میں صفحہ ۱۲۰ پر درج ہے — جون ۱۹۴۸ء میں اس ملک کا کیا حال تھا ، یہ کسی سے مخفی نہیں کشمیر میں کیا ہو رہا تھا ۔ اس کا جائزہ بعد میں لیا جائے گا ، عوام کی حالت کیا تھی ، حکومت کو کن مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا — قائداعظم کی صحت کا کیا عالم تھا — بے یار و مددگار مہاجرین پر کیا بیت رہی تھی ۔ خود غرض لیٹرے اور ہوس پرست ڈاکو دونوں ہاتھوں سے ملک کو کیسے لوٹ رہے تھے — یہ باتیں دہرانے کی ضرورت نہیں ۔ ایسے وقت میں مودودی صاحب " پبلک کی رضا جوئی " کو " مسلمان کے ساتھ خیانت اور بدخواہی کا مترادف قرار دے رہے تھے ۔ سوال یہ ہے کہ کیا پبلک اور مسلمان دو زمروں میں تقسیم کئے جا سکتے تھے ؟ — اگر نہیں اور دونوں سے مراد ایک ہی قوم تھی تو وہ کونسی حق گوئی تھی جس کا اظہار دیانت اور خیر خواہی کے

کے مطابق تھا لیکن اس قوم کی خواہشات کے خلاف تھا ۔ مودودی صاحب کی اس سوچ کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا اشتہار استحاروں کے پیرائے میں دینا چاہتے تھے — " پبلک " تو قائداعظم زندہ باد کہہ رہی تھی ۔ اس لئے انھوں نے اس سے " مسلمانوں " کو الگ کیا جن سے خیانت اور بدخواہی کا ارتکاب بہت سے " مفتی لیڈر اور مقرر " کر رہے تھے جو انکی " خواہشات نفس " کو تسلی دینے والی باتیں " کہہ رہے تھے ۔ مودودی صاحب " بہرحال اپنے آپکو انکے زمرے میں شامل نہ کر سکے " کیا یہ امر واقعہ ایسا ہی تھا ۔ آخر وہ کون سے مفتی لیڈر اور مقرر تھے ، جو پبلک کی خواہشات نفس کے ساز پر رقص کر رہے تھے — جون ۱۹۴۸ء میں یہ تمام تحریر خلاف واقعہ اور بے حقیقت تھی ۔ اس وقت تو ایک کو ایک کی خبر نہ تھی ۔ پاکستان کے قیام کو آخر عرصہ ہی کتنا ہوا تھا ۔ اس پر کشمیر کا مسئلہ — مہاجرین کا مسئلہ — بے روزگاری کا مسئلہ ۔ نظام حکومت کا مسئلہ ۔ معاشرے کا مسئلہ — آبادکاری کا مسئلہ ۔ تجارت کو نئی بنیادوں پر کھڑا کرنے کا مسئلہ ۔ کوئی ایک مسئلہ ہو تو بات بھی ہے ۔ اتنے مسائل میں الجھی ہوئی قوم کونسا " مفتی لیڈر اور مقرر " خواہشات نفس کے مطابق باتیں سنا سنا کر رام کر رہا تھا ۔ یہ سب سر و پا بات قطعی طور پر بے بنیاد تھی ، اور مودودی صاحب نے اس مفروضے پر جس استدلال کی تعمیر کی اور اس سے جو نتائج اخذ کئے وہ بھی اتنے ہی خلاف واقعہ ہیں ۔

پہلے جملے میں انھوں نے مسلمانوں اور پبلک کے درمیان جو حد فاصل قائم کی تھی اسے مٹاتے ہوئے فرماتے ہیں " مجھے قوم کی خوشنودی سے بڑھ کر خدا کی خوشنودی عزیز ہے "

کیا مودودی صاحب کے تمام ہم خیال ، حامی اور متبع اس جملے کو صحیح ثابت کر سکتے ہیں اگر قرآن حکیم ہمارے ایمان و عقائد کی صحت کا معیار ہے ، اور ہمارے تمام تر اعتقادات کا سرچشمہ ہے تو پھر اس اعلان کو کسی طرح توڑ مروڑ کر بھی صحیح ثابت نہیں کیا جا سکتا — خود مودودی صاحب اپنے خطبات میں لکھتے ہیں ۔

" اسلام میں تمام کام نظام جماعت کے ساتھ ہوتے ہیں ۔ انفرادیت

کو پسند نہیں کرتا۔ تو پھر قوم کی خوشنودی سے بڑھ کر خدا کی خوشنودی کے کیا معنی؟"

کیا اس کا ایک ہی مفہوم نہیں کہ مودودی صاحب ساری قوم کو اسلام کے خلاف اور خدا سے منحرف سمجھتے ہیں۔ اگر نہیں سمجھتے تو پھر اس انفرادیت کو اسلام اور خدا کی رضا کے عین مطابق کیسے قرار دیتے ہیں جس پاکستان کے وجود میں آنے کو انھوں نے "درندے کی پیدائش" کہا تھا، اس کے مسلمانوں سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں، اور اگر ہے تو یہی کہ انھیں قائد بنا دیا جائے اور اسی کا نام انھوں نے خدا کی خوشنودی رکھا ہے۔ اگر ہمارے اس نتیجے سے کسی کو اختلاف ہے تو آئے اور اسے جھٹلائے کہ اس کی تردید ممکن ہی نہیں۔

آپ نے دیکھا کہ ابھی تک مودودی صاحب نے ملک کی اس سے زیادہ کوئی خدمت نہیں کی کہ خود کو خدمتِ قوم کے لئے پیش کیا ہے۔ وہ بھی اس شرط پر کہ قوم ان کی ہمنوا ہو جائے اور اس طرح خدا کی خوشنودی حاصل کرے۔ اب وہ بتاتے ہیں کہ ان کو امیرِ ملت بنانے سے قوم کو کیا فائدہ پہنچے گا۔

"آخر اسلامی نظامِ حکومت کے معنی ہی کیا ہیں۔ اگر اس کا بنیادی اصول یہ نہ ہو کہ ملک کی داخلی سیاست اور خارجی پالیسی کے معاملے میں اتباع صرف کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کا ہوگا۔ نہ کہ قومی خواہشات اور دنیوی مصلحتوں کا۔ پس یہ بات عین میرے مقصد کے مطابق ہے کہ میں صرف انھیں لوگوں کو اپنے ساتھ لوں اور انھیں پر اعتماد کروں جو احکام خدا اور رسولؐ کے آگے جھک جانے کے لئے تیار ہوں ورنہ ایسی رائے عام تائید میرے لئے ذرہ برابر بھی مفید نہیں ہے جو نعرہ تو اسلامی حکومت کا لگائے مگر جب اس کی خواہشات کے خلاف کوئی حکم شرعی اسے سنایا جائے تو وہ اس پر صرف چیں بہ جبیں ہی نہ ہو بلکہ کہنے والے پر لعنت ملامت کی بوچھاڑ شروع کر دے (ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء)

مودودی صاحب کی اس تحریر کے ساتھ اسی شمارے کے صفحہ ۹۰ پر انہی کا ایک اور ارشاد بھی پڑھ لیجیے تاکہ ان کا موقف نمایاں ہو جائے۔

"مغربی جمہوریت ایک مطلق العنان خدائی ہے، جو اپنے اختیارات کو آزادانہ استعمال کرتی ہے۔ اور اس کے برعکس اسلامی جمہوریت ایک پابند آئین بندگی ہے۔ جو اپنے اختیارات کو خدا کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرتی ہے۔"

گویا مودودی صاحب مغربی جمہوریت کے بجائے اسلامی نظامِ حکومت چاہتے ہیں۔ تاکہ ملک کی داخلی سیاست اور خارجہ پالیسی کے معاملے میں اتباع کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا ہو۔ اگر مقصود یہی ہے تو اس کا موازنہ حضرت قائد اعظمؒ کے ارشاد سے کیجیے جو آپ نے جولائی ۱۹۴۸ء میں فرمایا۔

"ہمارے پیش نظر مقصد یہ ہے کہ یہاں کے عوام خوشحالی اور اطمینان کی زندگی بسر کریں۔ اس مقصد کا حصول مغرب کے اقتصادی نظام کو اختیار کرنے سے کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اپنا راستہ آپ متعین کرنا چاہیے اور دنیا کے سامنے ایک ایسا نظام پیش کرنا چاہیے۔ جو انسانی مساوات اور عدل، عمرانی کے اسلامی تصورات پر مبنی ہو۔ صرف یہی وہ طریق ہے جس سے ہم اس فریضے سے عہدہ برآ ہو سکیں گے جو ہم پر مسلمان ہونے کی حیثیت عائد ہوتا ہے اور ہم دنیا کو پیغام دے سکیں گے جو اسے تباہیوں سے بچائے گا اور نوعِ انسان کی بہبود، مسرت اور خوشحالی کا ضامن ہو سکے گا۔ یہ کام کسی اور نظام سے نہیں ہو سکتا۔"

یہ اعلان قوم کے قائد اعظم ہی کا نہیں، گورنر جنرل پاکستان کا بھی ہے۔ گویا یہ حکومت کی پالیسی کا اعلان ہے۔ اب اگر مودودی صاحب کو اپنی قیادت کے بجائے اسلامی نظامِ حکومت

سے دلچسپی تھی، تو ان کا فرض تھا کہ گذشتہ را صلوٰۃ کہہ کر قائد اعظم کا ہاتھ بٹاتے۔ اور ان
کی ہمنوائی میں اس مقصد عظیم کے حصول کے لیے نکل پڑتے۔ لیکن انکی مخالفانہ روش اور اس
وقت کے مسائل سے بیگانگی یا ساندانہ رویہ یہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ بہ امر مجبوری پاکستانی بنے
تھے۔ وہ اطیعو اللہ واطیعو الرسول کا پیغام دیتے تھے، خود اولی الامر بنتے تو دوسروں کو اطاعت
کا حکم دیتے اور مخالفین کو باغی کہتے، لیکن اپنے لئے اولی الامر کی اطاعت کو غیر ضروری قرار دے
رہے تھے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم مودودی صاحب کے اس طرز عمل کو اسلام کے اصولوں سے
انحراف سمجھتے ہیں، جب حکومت کے سربراہ نے پوری ذمہ داری سے انھیں مقاصد کا اعلان کر دیا
جو مودودی صاحب کے پیش نظر تھے، تو مخالفت کے کیا معنی۔ اور اپنی قیادت اور امارت
کے لیے قوم اور ملک میں انتشار اور فتنہ پھیلانے کا کیا مطلب۔ یہ روش متمدن دنیا ہی نہیں
خود اسلام کے نزدیک بغاوت کا درجہ رکھتی ہے۔ خدا کرے کہ مودودی صاحب اپنے طرز
عمل پر نادم ہونا ہی سیکھ لیں کہ اسی میں انکی دنیا و آخرت کی نجات ہے۔

۱۰ راکتوبر ۱۹۴۸ء کے روزنامہ نوائے وقت نے اس صورت حال پر جن الفاظ میں تبصرہ
کیا ہے وہ ہمارے نکتہ نظر کی پوری پوری ترجمانی کرتا ہے اور ہم اس پر اکتفا کرتے ہیں۔

"جو لوگ اسلامی حکومت کی آڑ لے کر اور اسلام کو بہانہ بنا کر ملک
کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں مصروف ہیں۔ وہ دانستہ یا نادانستہ ملک سے غداری
کر رہے ہیں۔ اور ان سے وہی سلوک ہونا چاہیے جو دنیا کے دوسرے ملکوں
کے غداروں سے ہوتا ہے"

تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عثمانؓ اسلام کے نام پر شہید کئے گئے۔ حضرت
علیؓ کو جام شہادت پلانے والے بھی اسلام کے نام پر ہی میدان عمل میں اترے تھے اور،
خارجیوں کا نعرہ بھی اسلام ہی کا تھا۔

نوائے وقت کا مطالبہ کہ مودودی صاحب اور انکی جماعت کو باغی قرار دیا جائے

بے جا نہ تھا، اس لئے کہ یہ حضرت نہ تو ان مشکلات پر ہمدردانہ غور و فکر کر رہے تھے، جو،
داخلی طور پر حکومت پاکستان اور ساری قوم کو درپیش تھیں اور نہ ان حالات سے متاثر
ہو رہے تھے جو خارجی طور پر رونما ہو رہے تھے۔ جونا گڑھ اور مانا وادر نے پاکستان سے
الحاق کیا تو بھارتی حکمرانوں نے یہ کہہ کر ان پر فوج کشی کر دی کہ یہ ہندو اکثریت کے علاقے
ہیں۔ اور ایک نواب کو یہ اختیار نہیں دیا جا سکتا کہ رائے عامہ کے خلاف اپنی مرضی سے اپنی ریاست
کا فیصلہ کر دے۔ حیدرآباد دکن کے ساتھ بھی یہی ہوا لیکن کس وقت؟ جب حضرت قائد اعظم
علیہ رحمتہ کو جنت آشیاں ہوئے دو دن بھی نہیں ہوئے تھے اور ساری قوم ان کے سانحے سے
فروعی کے غم میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کشمیر میں کیا ہو رہا تھا، یہ بھی کسی پاکستانی کی آنکھوں سے اوجھل
نہ تھا۔ اس کی نوعیت اور مودودی صاحب کی مسلم نوازی پر ہم بعد میں تبصرہ کریں گے۔ لیکن
سوال یہ ہے کہ نومولود دولت پاکستان پر جو وقت آن پڑا تھا، اس میں بجائے اس کے کہ،
مودودی صاحب اور انکی جماعت کوئی مثبت اقدام کر کے اپنے ہم وطنوں کے دلوں میں
گھر کر لیتی۔ اس خدمت ہی کو اپنے ذمے لیتی جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخوت
و مساوات کے رشتہ میں پرو کر ہر مسلمان پر عائد کر رکھی ہے۔ اور جن پر قرآن حکیم اس قدر
اصرار کرتا ہے۔ اور اگر مودودی صاحب اور ان کے گنتی کے ہمنوا یہ کچھ کرنے سے قاصر تھے تو کم
از کم خاموش رہ سکتے تھے۔ کہ ابھی اس انتشار میں مزید انتشار پیدا کرنے، ان مسائل سے
دوچار قوم اور حکومت کو تنقید و تنقیص کے کوڑے مارنے، پاکستان کے قیام ہی کو غلط قرار
دینے، ناسمجھ لوگوں کو جذباتی نعروں سے بھڑکانے اور اسلام کے نام پر کیچڑ اچھالنے سے،
الجھنیں بڑھانے کا موقع ـــــ نہ تھا۔ لیکن ان پر اپنی قیادت کا بھوت اس بری طرح سوار
تھا کہ کسی بات نے انھیں نیک نیتی اور حسن اخلاق کی طرف مائل نہ کیا اور انھوں نے بھارتی
ہندو سپاہیوں سے بڑھکر پاکستان کی جڑوں پر کلہاڑے چلانے شروع کر دیئے۔ انہیں سے
چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

"یہ تحریک (تحریک حصول پاکستان) ایک قومی تحریک تھی۔ اس میں وہ سب لوگ شامل تھے جو نام و نسب کے لحاظ سے مسلم قوم کے افراد تھے۔ یہ سوال اس میں سرے سے بے محل تھا کہ جو اس میں شامل ہوتا ہے وہ خدا، رسول، آخرت، وحی و کتاب اور دین و شریعت کو مانتا ہے یا نہیں حرام و حلال کی تمیز کا قائل ہے کہ نہیں اور فجور و تقویٰ۔ دینداری و بے دینی کی متضاد صفات میں کس صفت کے ساتھ متصف ہے۔ اصل مسئلہ قوم کو بچانے کا تھا اور اس کے لئے تمام قومی عناصر کا متحدہ محاذ بنانا ضروری تھا۔ پھر جو کام پیش نظر تھا وہ بھی فتویٰ اور امامت کا تھا کہ دین و اعتقاد کے تجسس کی ضرورت پیش آتی مقصود صرف مدافعت تھی اور اس کے لئے تحریک کی شرکت تو درکنار اسکی قیادت و رہنمائی کے مسئلے میں بھی یہ دیکھنے کی حاجت نہ تھی کہ جن لوگوں کو ہم آگے لا رہے ہیں ان کا اسلام سے کیا اور کتنا تعلق ہے۔

یہ تحریک سیاسی تھی۔ اس میں اخلاق کا بھی کوئی سوال نہ تھا جس نے سیاسی جوڑ توڑ میں جتنی زیادہ مہارت دکھائی وہ اتنی ہی ذمہ داری کے منصب کا اہل قرار پایا۔"

(صد ۱۳۱ ترجمان القرآن جولائی ۱۹۴۸ء)

یہ تبصرہ ہے ان لوگوں پہ جنہوں نے اللہ اور رسول کے نام پہ پاکستان حاصل کیا تھا تاکہ بقول قائد اعظم "اسلامی اصولوں اور تصورات" کے مطابق زندگی بسر کرسکیں۔ اور "اسلام کی عظمت گذشتہ کو از سر نو زندہ کرسکیں" جن کے بارے میں مودودی صاحب نے ۱۹۴۲ء میں لکھا تھا۔

"میرے نقطہ نظر میں اسوقت بھی شبہ نہ ہونا چاہیئے، جب آپ دیکھیں

کہ میں اسلامی تہذیب کو زندہ کرنے اور فارقی حکومت کے نصب العین تک پہنچنے کے لئے ان لوگوں کے پیچھے چلا جا رہا ہوں جنکی عملی زندگی میں، اور جن کے خیالات میں، نظریات و طرز سیاست اور رنگ قیادت میں خورد بین لگا کر بھی اسلامیت کی کوئی چھینٹ نہیں دیکھی جا سکتی۔"

یعنی انھوں نے قائد اعظم علیہ الرحمۃ کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کرکے یہ عہد کیا تھا کہ اگر وہ "اسلامی تہذیب کو زندہ کرنے اور فاروقی نصب العین تک پہنچانے میں" کامیاب بھی ہوجائیں تب بھی انکی قیادت کو قبول نہیں کرونگا۔ سوال یہ ہے کہ اس کے بعد وہ کس منہ سے پاکستان میں تشریف لے آئے۔

مسلم لیگ کے قائدین اور عامۃ المسلمین جنہوں نے ان کی قیادت میں اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائی۔ ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"لیں اس تحریک میں اسلام سے وہ خدمت لی گئی جو بگڑے ہوئے نواب زادے اپنے خاندان کے کسی پرانے جاں نثار ملازم سے لیا کرتے ہیں مشورہ اور نصیحت اس کا کام نہیں ہوتا۔ میاں لوگ اپنی مرضی سے جو بھی چاہیں کریں مگر آڑے وقت میں بوڑھے خادم کو پکارا جاتا ہے کہ آؤ اور حق نمک ادا کرو۔ پھر اگر وہ غریب ان حرکات پہ صبر نہیں کرسکتا جنکی وجہ سے برے وقت آتے ہیں اور بے چین ہوکر کہہ بیٹھتا ہے کہ صاحبزادے اپنے اطوار ٹھیک کرو تو اسے ڈانٹ دیا جاتا ہے کہ "ایاز قدر خود شناس" تو اپنے کام سے کام رکھ تیری یہ حیثیت کب سے ہوگئی کہ ہمارے معاملات میں دخل دے۔

یہ تھیں وہ بنیادیں جن پہ ہماری قومی تحریک اول روز سے اٹھی، اور آخر تک بڑھتی چلی گئی۔ اس کے اجزائے ترکیبی میں مومن اور منافق اور

کھلے کھلے ملحد سب شامل تھے۔ بلکہ دین میں جو جتنا ہلکا تھا وہ اتنا ہی، اوپر آیا۔ اس میں اخلاق کی کسر سے کوئی پوچھ نہیں تھی۔"

(صفحہ ۱۳۳ ترجمان القرآن جولائی ۱۹۴۸ء)

قائداعظم علیہ الرحمۃ اور ان کے ہمنواؤں کو جنہوں نے دن رات ایک کر کے انگریزی حکمرانوں اور ان کے ہندو کانگریسی جانشینوں کو سیاسی شکست دے کر اپنا موقف حاصل کیا تھا، اپنے لئے نہیں اپنی قوم کے لئے ۔۔۔ ان رہنمایانِ قوم کو "بگڑے ہوئے نواب زادے" کہنا اور اسلام کو ان کا "پرانا جانثار ملازم" ٹھہرانا مودودی صاحب کو ہی زیب دیتا ہے ۔۔۔ کاش وہ اس آئینے میں اپنی صورت بھی دیکھتے تو انھیں پتہ چلتا کہ جہاں قائداعظم اور عمائدین مسلم لیگ نے اپنی مسیحانفسی سے اس سرزمین میں اسلام کو زندہ کرنے کا "معجزہ" کر دکھایا تھا وہاں مودودی صاحب اسی اسلام کو اپنے ہوس اقتدار کا آلہ کار بنانا چاہتے تھے۔ آخر انھوں نے انتشار پردازی کے جوہر دکھا کر ان کی مخالفت کے سوا اور کیا ہی کیا تھا۔ ان "بگڑے نواب زادوں" نے تو پاکستان لے کر قوم پر احسان فرمایا اور اسلام کا حق نمک ادا کیا۔ مودودی صاحب نے اپنے خود ساختہ اسلام کا پودا لگانے کی کوشش میں جو عرق ریزی فرمائی تھی اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ ۔

قیام پاکستان کے تقریباً ایک سال بعد جس تنگ نظری اور تعصب کی آگ، مودودی صاحب لے کر پاکستانیوں کو جھلسانا چاہتے تھے اس کا ایک شعلہ ملاحظہ ہو:۔

"یہ تو تھا ہمارا اس عظیم الشان تحریک کا اخلاقی اور دینی پس منظر اب ذرا اس کے اصل کام کا جائزہ لیجئے جو وہ قوم کو بچانے کے لئے کر رہی تھی۔ مسلمانوں کا قومی مطالبہ جو اس نے مرتب کیا وہ یہ تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی عددی اکثریت کے لحاظ سے ملک تقسیم کر دیا جائے اس مطالبہ کے اندر آپ سے آپ تین باتیں شامل تھیں۔ ایک یہ کہ تقریباً آدھے

مسلمان ہندوؤں کے قومی غلام بن کر رہ جائیں دوسرے یہ کہ مسلمانوں کی قومی ریاست، دو ایسے چھوٹے چھوٹے خطوں میں بنے جنکی حیثیت ہندو ریاست کی سرحدوں پر قریب وہی ہے جو پولینڈ اور چیکوسلواکیہ جیسی ریاستوں کی روس کی سرحدوں پر ہے تیسرے یہ کہ ان دونوں خطوں کے درمیان بھی ایک ہزار میل کا ہندو علاقہ حائل ہو اور ان کے درمیان نہ حالت امن میں پوری طرح تعاون ہو سکے نہ حالت جنگ میں یہ ایک دوسرے کی مدد کر سکیں۔" (صفحہ ۱۳۳ ترجمان القرآن جولائی ۱۹۴۸ء)

وہ شخص جو ۱۹۴۲ء میں یہ لکھ رہا تھا کہ "مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے لئے اس مسئلہ میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ہندوستان میں جہاں کہیں کثیر التعداد مسلمان ہیں وہیں انکی حکومت قائم ہو جائے" اسے کیا پڑی ہے کہ مسلمانوں کے قومی مطالبے پر غور کرتا پھرے اب جب یہ حکومت قائم ہو گئی ہے اور مودودی صاحب کے تمام خیالی ایوانات ڈھے چکے ہیں تو ان کو مشرقی اور مغربی پاکستان کے بیچ میں ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت تھی۔ جن لوگوں کی قیادت انھیں قبول نہ تھی، جن لوگوں کو وہ مسلمان قرار دینے کے لئے تیار نہ تھے جس مملکت کے قیام سے انھیں دلچسپی نہ تھی۔ اب اس کی صورت حال کا غم انھیں کیوں کھا رہا ہے۔ اولاً تو انھیں اس خاک پاک پر قدم رنجہ فرمانے کا کوئی حق نہ تھا اور اگر، بھیڑوں میں شامل ہو کر یہ بھیڑیا گھس آیا تھا تو کم از کم اپنے انداز نظر میں اتنی ترمیم تو کرتا کہ اس پر اس ملک کا باشندہ ہونے کا گمان ہو سکتا۔ لیکن نہیں۔ مودودی صاحب بزعم قیادت و امارت اسلام کے وہ ٹھیکیدار ہیں جنھیں پاکستان کی ضرورت بھی نہیں اور جو پاکستان کو سرتاسر حماقت قرار دیتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"پانچ کروڑ انسانوں نے انتہائی بے بسی کی حالت میں ایک مفتوح اور شکست خوردہ قوم کی حیثیت سے اپنے آپ کو اچانک ان ہندوؤں

اور سکھوں کے جنگل میں پایا جن کے ساتھ وہ چند روز پہلے دو بدو لڑ رہے تھے اس طرح جو تحریک پوری قوم کو بچانے کے لئے اٹھی تھی اس کی تدبیر و لیاقت کا خلاصہ یہ نکلا کہ ایک طرف کو بچانے کے لئے دوسری طرف کو ایسی سخت تباہی کے گڑھے میں پھینک دیا گیا جس کا تصور بھی پہلے نہ کیا جا سکتا تھا۔"

صفحہ ۱۳۵

ترجمان القرآن جولائی ۱۹۴۸ء

یہ صورت حال ان کے نزدیک ہندو اکثریت کے صوبوں کے مسلمانوں کی ہے جن کے ساتھ مودودی صاحب مسلم اکثریت کو بھی شامل کر کے، "حکومت الٰہیہ" قائم کرنا چاہتے تھے عقل و فہم، ادراک و بصارت، شعور و دانش کے کس زاویہ سے وہ پاکستان حاصل کئے بغیر دس کروڑ مسلمانوں کو محفوظ کر سکتے تھے۔ اور محفوظ ہی نہیں "حکومت الٰہیہ" قائم کر لیتے اور مودودی صاحب کو اپنا امیر منتخب کر کے عہد فاروقی کو زندہ کر لیتے۔ ہم پوچھتے ہیں ہندوؤں نے قیام پاکستان کے بعد بھارت میں جس انسانیت سوز اعمال کا مظاہرہ کیا پاکستان حاصل نہ کرنے کی صورت میں کیا ان سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ اچھا سلوک کرتے اور بہتر اخلاقی، سیاسی اور انسانی اقدار پیش کرتے۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو پھر مودودی صاحب کے منفی زاویہ نگاہ کا مقصد کیا ہے۔ اور وہ کس لئے قیام پاکستان کے اس عظیم انسانی کارنامے کو غلطیوں اور حماقتوں کا مجموعہ قرار دے رہے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

"اس سارے نامۂ اعمال میں اگر کسی چیز کو نفع کے خانے میں رکھا جا سکتا ہے تو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ انھوں نے کم از کم آدھے مسلمانوں کو تو بچا لیا اور ان کی یہ ایک قومی ریاست بنا دی۔ لیکن افسوس کہ اس "روشن" کارنامے کو بھی ہم بدترین غلطیوں سے داغدار پاتے

ہیں اور بری طرح ان کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ تقسیم ہند کا معاملہ جس طریقے سے طے کیا گیا وہ غلطیوں بلکہ حماقتوں کا ایک مجموعہ تھا۔"

صفحہ ۱۳۶

(ترجمان القرآن جولائی ۱۹۴۸ء)

اب فرمایئے! کیا خیال ہے اس کے بارے میں۔ قیام پاکستان "روشن کارنامہ" نہیں ہے تو پھر "روشن کارنامہ" کیا ہے۔! ہندوؤں اور سکھوں کے جنگل میں دس کروڑ مسلمان ایک مفتوح اور شکست خوردہ قوم کی حیثیت سے بھٹکنے لگیں تو مودودی صاحب خوش اور ان کا خدا خوش۔ حکومت الٰہیہ بھی قائم اور مسلمانوں کا دین و ایمان بھی محفوظ۔ نہ یہ "روشن کارنامہ" ہوتا نہ مودودی صاحب کو قائم کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ تو پھر ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ آپ ان پانچ کروڑ مسلمانوں کو چھوڑ کر اس "روشن کارنامے" پر "پسینہ" کرنے کے لئے کیوں چلے آئے؟ آپ کی ضرورت تھی تو ان کو تھی، جو مسلم لیگ اور قائد اعظم کی غلطیوں سے داغدار نہ تھے اور اس تقسیم کا بری طرح خمیازہ بھگت رہے تھے۔ لیکن مودودی صاحب کو تو اپنی قیادت چمکانا ہے ان کی بلا سے پانچ کروڑ مسلمان بھارتی سکھوں اور ہندوؤں کے جنگل میں بے سر و سامان رہ گئے ہیں رہا پاکستان، تو اس میں انھیں مسلم لیگ کی قیادت نشتر بن کر کھٹک رہی ہے فرماتے ہیں۔

"دس برس کے بعد آج اس کا (مسلم لیگ کا) پورا کارنامہ ہمارے سامنے ہے اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس نے کس طرح کس صورت میں ہمارے مسئلہ کو حل کیا ہے جو کچھ ہو چکا وہ امر واقعہ ہے اب اسے بدلا نہیں جا سکتا اس پر اس حیثیت سے بحث بے کار ہے کہ جو مسائل اب ہمیں درپیش ہیں کیا ان کے حل کے لئے بھی وہی قیادت موزوں ہے جو اس سے پہلے ہمارے قومی مسئلے کو اس طرح حل کر چکی ہے کیا اس کا اب تک کا کارنامہ

ہی سفارش کرتا ہے کہ اب جو بڑے بڑے اور نازک مسائل ہمارے سر
پر آپڑے ہیں جن کا بیشتر حصہ خود اس قیادت کی کارفرمائیوں کے نتیجہ
میں پیدا ہوا ہے انہیں حل کرنے کے لئے ہم اس پر اعتماد کریں۔

(صفحہ ۱۳۱ ترجمان القرآن جولائی ۱۹۴۸ء)

یعنی یہ کہ پاکستان تو اب بن گیا ہے اور اس کو مٹا دینا مودودی صاحب کے بس کا نہیں
اس لئے ارشاد ہوتا ہے "بحث بیکار ہے"۔ شکر ہے کہ اس قدر زہر اگلنے کے بعد انہیں
پتہ تو چلا کہ یہ بحث بیکار ہے لیکن اس بیکار بحث سے انھوں نے ناپختہ اذہان اور ناتراشیدہ
لوگوں کے دلوں میں جو احساس بیدار کیا اس کا علاج مودودی صاحب نے کیا کیا۔ اب انہیں
ان مسائل کا خیال آیا جو ملک کو درپیش ہیں۔ لیکن انہیں حل کرنے کے سلسلے میں کوئی
مفید مطلب تصور، مشورہ عمل یا انداز نظر اختیار کرنے کے بجائے آپ قیادت کا کھمبا
نوچنے کے درپے ہو گئے۔ اور یہ فیصلہ دینے لگے کہ اس قیادت ہی نے نازک مسائل ہمارے
سر پر ڈال دیئے ہیں۔ اسے بدل دو تو ہم برسر اقتدار آکر انہیں حل کرتے ہیں ورنہ ہم
ان کے سروں پر جوابی حملے سے تنقید و تنقیص کے بم گرائیں گے۔ نہ خود کچھ کریں گے نہ ان کو
کچھ کرنے دیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

"کیا پاکستان کی موجودہ حکومت اس قابل ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی
قسمت پر کوئی اچھا اثر ڈال سکے یا ہندوستان میں اسلام کے مستقبل کو درخشاں
نہیں تو کم از کم محفوظ ہی کرنے کے لئے کچھ کر سکے۔ اگر ان سوالات کا کوئی جواب ہے
تو اسے معلوم کر کے ہم بہت خوش ہوں گے اگر نہیں ہے تو اس کے صاف معنی یہ
ہیں کہ جب تک ہمارے قومی معاملات کی سربراہ کاری موجودہ سیاست و قیادت
کے ہاتھ میں ہے اپنی ملت کے اس بڑے سے بڑے مسئلے کا کوئی حل ہمارے
لئے ممکن نہیں ہے اور یہی سیاست و قیادت ہماری سربراہ کار رہے تو ہمیں

چند سال کے اندر یہ دیکھنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے کہ واہگہ سے راس کماری
تک اور مشرقی بنگال کی سرحدوں سے کاٹھیاواڑ کے سواحل تک تمام
علاقہ اسلام سے خالی ہو جائے"

(صفحہ ۲۰۴ ترجمان القرآن اگست ۱۹۴۸ء)

فرماتے ہیں۔ حکومت پاکستان سے توقع کی جاتی ہے کہ اس قابل ہو جائے کہ ہندوستان
کے مسلمانوں کی قسمت پر کوئی اچھا اثر ڈال سکے۔ اور یہ بات ہے اگست ۱۹۴۸ء کی، قیام
پاکستان کو ابھی ایک سال ہوا ہے۔ اور مودودی صاحب حکومت پاکستان سے تقاضا
کرتے ہیں کہ وہ جادو کی ایسی چھڑی ایجاد کرے جس سے "ہندوستان میں اسلام کا مستقبل
درخشاں نہیں تو کم از کم محفوظ ہی ہو سکے" اور ظاہر ہے کہ حکومت پاکستان چھوڑ امریکہ
اور روس بھی بیچارے اس تقاضے پر پورے نہیں اتر سکتے۔ جو کام اللہ تعالے کا ہے وہ ایک
نومولود مملکت کی ہزارہا مسائل میں الجھی ہوئی حکومت کیسے کریگی۔ لیکن مودودی صاحب
سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی چور چوری کرتا ہے اگر کہیں اخلاقی پستی کا مظاہرہ ہوتا ہے اگر کسی
ماں کی گود میں بچہ رو دیتا ہے تو ذمہ داری حکومت پاکستان کی ہے جسے بہرحال ختم
ہو جانا چاہیئے۔ تاکہ سید ہونے کی وجہ سے جو چیز زکوٰۃ و خیرات کے طور پر انھیں نہیں
مل سکتی وہ تحفتہً ہی مل جائے۔ حکومت پاکستان اور رہبران قوم سے سوء ظنی کا سلسلہ
یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ اس سلسلے میں مودودی صاحب ساری قوم کو زجر و توبیخ کے ڈنڈے
سے لعن طعن فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

"ہم نصیحت سے نفور اور کذب و فریب کے قدردان ہیں ہم کسی کو اپنے
آگے لگاتے وقت اس کے اخلاقی و ذہنی اوصاف نہیں دیکھتے بلکہ صرف
یہ دیکھتے ہیں کہ وہ نعرہ کتنے زور کا لگاتا ہے اور زبان کے استعمال میں
کس قدر مطلق العنان ہے۔ ہم اپنے رہبروں اور سربراہ کاروں سے

انتخاب میں پیہم غلطیاں کرتے رہے اور اندھی بہیمی پیروی کے لئے خوگر ہو چکے
ہیں کہ تباہ کن حوادث میں مبتلا ہونے سے پہلے کبھی آنکھیں کھول کر نہیں
دیکھتے کہ ہمارے رہبر ہمیں کدھر لئے جا رہے ہیں۔

صفحہ ۲۸۱

(ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۴۸ء)

ظاہر ہے کہ رہبروں اور سربراہوں کے انتخاب میں پیہم غلطیاں اس وقت تک ہوتی
رہیں گی جب وقت تک عنانِ اختیار مودودی صاحب کے ہاتھوں میں نہیں پہنچتی۔ قوم بیچاری
کو تو آج نہیں پاکستان بننے سے پہلے بھی اندھا غافل اور شعور سے محروم گردانا گیا تھا اور
آج جب وہ پورے اتحاد و یگانگت سے منزل مراد تک پہنچ کر اپنے مسائل سے دوچار ہے
تو بھی اسے "اندھی پیروی" کا مجرم ٹھہرایا جا رہا ہے۔ کیا مصلحین کا رویہ یہی ہوتا ہے ؟
مودودی صاحب نے کاغذی گھوڑے دوڑانے اور خود کو عقل کل ثابت کرنے کے علاوہ قوم کی
رہنمائی کے لئے کیا لائحہ عمل پیش کیا ؟ حیرت ہے اس ذہنیت پر کہ خود کچھ کر کے نہ دکھاتے اور
اندرونِ خانہ بیٹھ کر دوسروں پر پتھر برساتے۔ حکومت مداری کا کھیل نہیں کہ ہر تماشائی کے
حوالے کر دی جائے۔ اس کے لئے کچھ کر کے دکھانا پڑتا ہے۔ زبانی جمع خرچ کے بجائے قوم کا
اعتماد حاصل کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نام اور پیغام پر بہتان باندھنے اور کم نظری
کو کمالِ فکر و نظر ثابت کرنے سے حکومت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں نہیں آ سکتی۔ کاش
یہ بات مودودی صاحب کی سمجھ میں آ جاتی حقائق کو سمجھنے اور اپنی نامعقولیت کا کھلا
اعتراف کرنے کے بجائے مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

"دوسری طرف یہ جماعت (جماعت اسلامی) چونکہ خود مسلمانوں کی
قومی تحریک سے بھی اسی طرح کنارہ کش تھی جس طرح کانگریسی وطن پرستی
کی تحریک سے الگ رہی تھی، اس لئے قوم کے بجز ایک قلیل گروہ کے جو

اسلام کے اصولوں کو فی الواقع سمجھتا تھا اور ان کا سچا قدر دان تھا۔ قوم
کی قوم جماعت سے شاکی اور ناخوش تھی اس لئے جماعت کے لئے یہ سخت
مشکلات اور شدید آزمائش کا وقت تھا۔

صفحہ ۲۶۱

(ترجمان القرآن اگست ۱۹۴۸ء)

جماعت اسلامی "مسلمانوں کی قومی تحریک" سے کنارہ کش تھی۔ اس اعتراف کے
بعد اس جماعت کا اسلامی ہونا بذاتِ خود محلِ نظر ہے کہ اسلام کسی طرح بھی جمعیت سے روگردانی
اور مسلمانوں کی قومی تحریک سے کنارہ کش ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہی حقیقت مودودی
صاحب کو مسلمانوں کا اور خدا کا باغی ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ دوسری طرف الٹا یہ اعلان
کہ ان کی جماعت "کانگریسی وطن پرستی کی تحریک سے الگ رہی تھی"۔ خلافِ واقعہ ہے
انہوں نے عملاً، قولاً، فعلاً ہر طرح سے مسلم لیگ اور تصورِ پاکستان کی مخالفت کی اب
اس حقیقت کو ثابت کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں کہ قیامِ پاکستان سے یہ مخالفت ہی
دراصل ان کی تنظیم کا مقصود تھا جس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ کانگریسی
وطن پرستی کے حامی تھے۔ جو شخص اگست ۱۹۴۸ء میں بھی کانگریس کو ہندو جماعت سمجھنے
کے بجائے "وطن پرستی" قرار دے رہا ہو۔ اس کی ذہنیت اور مطمح نظر کے بارے میں
کسی غلط فہمی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ صاف ظاہر ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد ان کا مقصد
حصولِ اقتدار تھا اور بس! اور اس کے لئے وہ تمام تخریبی صلاحیتوں کو صرف کر رہے تھے۔ اب
انکی سمجھ میں آیا کہ :-

"آج اس جمہوریت کے دور میں عوام کا وہی مقام ہے جو پہلے بادشاہوں کو
حاصل تھا اقتدار و اختیار کا منبع اب بادشاہ نہیں بلکہ عوام ہیں۔ زندگی کا
سارا نظام اس وقت ٹھیک چل ہو سکتا ہے جب کہ عوام الناس کا شعور

درست ہو ان میں بھلے اور برُے کی تمیز ہو سکے اور وہ ٹھیک سمجھ سکیں کہ کس پر اعتماد کرنا چاہیئے۔ اور کس پر نہ کرنا چاہیئے۔"

صفحہ ۲۸۲

(ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۴۸ء)

لیکن عوام الناس کے شعور کو درست کرنے کے لئے ترجمان القرآن کے صفحات بھی کافی نہیں ہو سکتے۔ اس کے لئے کچھ کر گذرنا پڑتا ہے۔ ہمیں "جماعت اسلامی" کی کارگذاری میں تو اس کے کچھ نظر نہیں آتا کہ اس نے بعض شہروں میں اپنے پروپیگنڈے کے لئے لائبریریاں اور ریڈنگ روم کھول رکھے تھے اور یہ کہ گنتی کے گشتی شفاخانے جن میں دو چار دوائیاں تھیں دیہات میں پھرا کرتی تھیں۔ کیا اسی سے مودودی صاحب قوم کے شعور کو بیدار کرنا چاہتے تھے۔ کیا اسلامی تبلیغ کے لئے، حقیقی اسلام کو پھیلانے کے لئے رضاکارانہ سرگرمی، اخلاقِ محمدی کی عظمت کا نمونہ، اسوۃ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج اور قرآن حکیم کی تبلیغ کا کوئی عملی وسیلہ سوائے جماعت اسلامی کی حکومت کے نہ تھا۔ یقیناً تھا، اور ہے اور ہوگا مودودی صاحب کا انداز فکر کہ پہلے مجھے حکمراں بناؤ۔ پھر میں تمہیں مسلمان بناؤنگا غلط ہے۔ اور چودہ سو برس میں اس قسم کی نعرہ بازی کبھی کارگر ثابت نہیں ہوتی۔ آخر منافقین اسلام نے بھی اسی نعرے کی آڑ میں تخریبی کاروائیاں کی ہیں۔ اس لئے جو شخص اپنے عمل، کردار اور خدمت سے عوام کی سطح پر چلتے چلتے اقتدار کی مسند تک نہیں پہنچا اور محض دعووں اور وعدوں پر انحصار کرتا ہے۔ اس پر کبھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے دوسروں پر جو آوازہ کسا ہے وہی ان پر بھی صادق آتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"اب غور کیجئے کہ پہلے تو لادینی نے ان لوگوں کو خدا کے خوف اور اخلاق کے مستقل اصولوں کی گرفت سے آزاد کر کے بے لگام اور غیر ذمہ دار اور بندۂ نفس بنا دیا۔ پھر خود پرستی نے ان کو شدید قسم کی قومی خود غرضی اور اندھی عصبیت

اور قومی غرور کے نشے سے بدمست کر دیا۔ اور اب یہ جمہوریت اپنے بدمست بندگان نفس کی خواہشات کو قانون سازی کے مکمل اختیارات دیتی ہے اور حکومت کا واحد مقصد یہ قرار دیتی ہے کہ اس کی طاقت ہر اس چیز کے حصول میں صرف ہو جس کی یہ اجتماعی طور پر خواہش کریں۔ سوال یہ ہے کہ اس طرح کے خود مختار صاحب حاکمیت قوم کا حال آخر ایک طاقتور اور آزاد بدمعاش کے حال سے کس بات میں مختلف ہے۔"

(صفحہ ۲۹۵ ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۴۸ء)

یہ تحریر حضرت قائداعظم کی حیات کے زمانے کی ہے کہ اسی مہینے انھوں نے انتقال فرمایا جو شخص اس قسم کی تحریر اپنی حکومت سے منسوب کرے "بے لگام، غیر ذمہ دار، بندۂ نفس خود غرض، اندھی عصبیت، قومی غرور کا نشہ۔ بدمست بندگان نفس" کے الفاظ استعمال کرے اور نتیجہ یہ اخذ کرے کہ یہ قوم کا حال "طاقتور اور آزاد بدمعاش" کے حال کا سا ہے تو آپ کی رائے اس کے بارے میں کیا ہوگی۔

ہم اس پر کوئی تبصرہ نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ یہ مودودی صاحب کی تہذیب کا وہ آئینہ ہے جس میں خود انہی کی صورت نظر آتی ہے۔ ہم ان کا معاملہ خدا اور اس کے رسول پر چھوڑتے ہیں۔ جن کے ناموں کا بے جا اور نازیبا استعمال کر کے مودودی صاحب اس حالت کو پہنچے۔ ہاں ان سے وہی اپیل کریں گے جو انھوں نے دوسروں سے کی

"بہر حال یہ فریب اور یہ منافقت اب ختم ہونا چاہیئے۔ جو آجکل لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے کہ اسلام پسند بھی نہیں ہے اس کی پیروی پر راضی بھی نہیں ہیں۔ خیال اور عمل میں اسے چھوڑ کر دوسرے طریقے اختیار کر چکے ہیں مگر اصرار ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور صرف مسلمان

کہلاتے جانے پہ ہی مصر نہیں ہیں بلکہ اسلام کے علمبردار
اور مفتی بھی بنے پھرتے ہیں۔ یہ کھیل بہت دنوں کھیلا
جا چکا ہے۔"

صفحہ ۱۴۵

عنوان:- جماعت اسلامی کا مطالبہ
ترجمان القرآن جولائی ۱۹۴۸ء

اللہ تعالےٰ انھیں اس پر غور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مودودی صاحب اور مسئلہ کشمیر

کشمیر کی ۸۰ فیصدی مسلم اکثریت کیلئے اس کے ڈوگرہ حکمران نے وہی صورت
اختیار کر رکھی تھی جو دکن کی تھی۔ نظام دکن نے چاہا کہ اپنی ریاست کو بھارت سے الحاق
کئے بغیر معاہدات کے بل بوتے پر آزاد رکھا جائے۔ لیکن بھارت سرکار نے فیصلہ دیا کہ
ایک چھوٹے سے گروہ کو عوام پر مسلط ہونے کے لئے غیر محدود اختیارات نہیں دیئے
جا سکتے۔" دوسری طرف کشمیر پر تسلط جمانے کے لئے انہی حکمرانوں نے ہری سنگھ ڈوگرے
کے کندھوں پر بندوق رکھ کر مکروفریب عیاری اور جعلسازی سے ایک ایسی ناپاک
سازش کی جس کا مطلب ریاست کے عوام کو تمام اصولی بالائے طاق رکھ کر غلامی
کا جوا پہنانے کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ واقعہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء کا ہے لیکن اس سے دو مہینے
پہلے کشمیری عوام نے اپنی جمعیت قائم کر کے اپنی آزادی کی تحریک شروع کر دی تھی۔ وہ
ہری سنگھ ڈوگرے اور بھارتی کانگریس کے ان خود سر رہنماؤں کو جانتے تھے جن کے
سیکولرازم کا پردہ بری طرح چاک ہو چکا تھا اور جو فرقہ وارانہ فسادات اور مسلم کش عزائم
کی وجہ سے پوری طرح بے نقاب ہو چکے تھے۔ ۱۲ اکتوبر ۴۷ء کو مہاراجہ ہری سنگھ
کی حکومت نے ایک پریس نوٹ جاری کیا جس میں لکھا تھا کہ ۲۴ اگست ۴۷ء کو
مشتعل لوگوں کے بہت بھاری ہجوم نے تحصیل باغ میں جمع ہونا شروع کیا
ان کی تعداد پانچ ہزار سے زیادہ تھی۔ اور وہ بندوقوں، کلہاڑیوں، نیزوں
اور دوسرے ہتھیاروں سے مسلح تھا۔" گویا عوام کی تحریک کا آغاز ۲۴ اگست
۴۷ء کو یعنی قیام پاکستان کے دس دن بعد ہو چکا تھا۔ اس تحریک کو کچلنے کے

لئے ہری سنگھ ڈوگرے نے کیا گیا۔ یہ ۱۰ اگست ۱۹۴۸ء کے اخبار لندن ٹائمز کے ایک اقتباس سے واضح طور پر معلوم ہو جائے گا۔

"باقی ماندہ ڈوگرہ علاقہ میں، ڈوگرہ فوج کے ہاتھوں جن کی کمان مہاراجہ بذات خود کر رہا تھا۔ اور جن کی مدد کے لئے ہندو اور سکھ موجود تھے۔ دو لاکھ ۳۷ ہزار مسلمان منظم طریقے سے نیست و نابود کر دیئے گئے۔ صرف وہی بچے جو سرحد پار کر کے پاکستان پہنچ گئے۔ دو تہائی مسلمان آبادی کے اس طرح ناپید ہو جانے سے صوبہ جموں کی آبادی کا تناسب بالکل بدل گیا۔"

چنانچہ پاکستان میں داخل ہونے والے مہاجرین کا ایک اور دروازہ کھل گیا اور وہ پاکستانی جن کے سینوں میں مشرقی پنجاب، دہلی اور یوپی کے قتل و غارت سے ناسور پڑے ہوئے تھے کشمیری بھائیوں کے اس قتل عام سے آگ بگولا ہو گئے۔

دراصل بھارتی حکمران کشمیر کو محض علاقائی بافت کے طور پر ہی نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کے دانت پاکستان کے جسم میں گڑنے کے لئے تیز ہو رہے تھے اور اس کے لئے وہ پاکستان کو پوری طرح گھیرنا چاہتے تھے۔ شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے ۲۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو دہلی میں اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے اس حقیقت کو واضح کیا۔

"جنگی نقطۂ نظر سے ریاست کا محل وقوع ایسا ہے کہ اگر ریاست بھارت میں شامل ہو جائے تو میرا خیال ہے کہ پاکستان پوری طرح گھر جاتا ہے۔"

پونچھ کے مسلمانوں کے علم بغاوت بلند کرنے کے بارے میں شیخ صاحب نے فرمایا۔

"پونچھ کی حالیہ بدامنی ریاست کی غیر دانشمندانہ حکمت عملی کا نتیجہ ہے۔

پونچھ کے لوگوں نے جو اپنے مقامی حکمران اور مہاراجہ کے زیر نگیں مصائب میں مبتلا رہے ہیں۔ اپنی تکلیفوں کے ازالہ کے لئے ایک تحریک کا آغاز کیا۔ یہ تحریک فرقہ وارانہ نوعیت کی نہیں۔"

یہ بیان شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کا ہے جو اس وقت پنڈت نہرو کے جگری دوست اور بھارت کی نیک نیتی پر اعتقاد رکھتے تھے۔

دو لاکھ ۳۷ ہزار فرزندان توحید جموں میں شہادت کا جام پی گئے۔ کئی لاکھ مسلمان جانیں بچانے کے لئے پاکستان میں پناہ گزین رہے۔ بھارتی فوجوں نے نہتے عوام پر ہوائی جہازوں توپوں اور ٹینکوں سے حملہ کر دیا۔ ایسے وقت میں پاکستانی عوام اور حکومت کو کیا کرنا چاہیئے تھا۔ اس کے بارے میں مودودی صاحب کا نکتہ نظر ملاحظہ ہو۔

"اگر ہماری سرحد کے باہر مسلمان آبادی پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ ہم سے مدد مانگتے ہوں تو ہم صرف اسی صورت میں مدد کر جا سکتے ہیں جبکہ ظلم کرنے والی قوم کے ساتھ ہماری (قومی حیثیت سے) معاہدانہ تعلقات نہ ہوں۔ لیکن اگر ظالم قوم کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہو تو ہمارا دل خواہ مظلوم بھائیوں کی مصیبت پر کتنا ہی کڑھتا ہو ہم ان کی حمایت میں انفرادی یا اجتماعی طور پر کوئی جنگی کارروائی نہیں کر سکتے ——— (ترجمان القرآن۔ جون ۱۹۴۸ء)

یہ وہی مودودی صاحب ہیں جو پاکستان کے تصور کے اس لئے خلاف تھے کہ اسلام جغرافیائی حدود میں قید نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب پاکستان قائم ہو گیا اور اسے ختم کرنے کے لئے ناپاک حربے استعمال ہونے لگے اور اس کے جائز حقوق پر ڈاکہ ڈالا جانے لگا تو انھیں "معاہدات" کی آڑ میں اپنے لاکھوں مظلوم بھائیوں کی بے بسی

پر رحم تک نہ آیا۔ انھوں نے اسی کردار کا ثبوت دیا جو کانگریسی ذہنیت کا مظہر تھا وہ پاکستان کی کشتی کو ڈبونے والے سوراخ کو بند کرنے کی بجائے اور بڑا کرنا ضروری سمجھ رہے تھے۔

انھوں نے اس بات پر بھی غور نہ کیا کہ سو سال پہلے انگریز نے ان کشمیری بھائیوں اور ان کے وطن عزیز کو بھیڑ بکری کی طرح گلاب سنگھ ڈوگرے کے ہاتھ نانک شاہی ٹکوں کے عوض بیچ دیا تھا۔ اور اب اس کی مخلصی کا دور آیا ہے۔ سوال بھارت سے معاہدات کا نہ تھا۔ اس امر کا تھا، کہ بھارت جس اصول کے تحت نظام دکن اور نواب جوناگڑھ کو اپنی، ریاستوں کی ہندو اکثریت کی رائے کے خلاف خود مختاری یا پاکستان سے الحاق کی اجازت نہیں دیتا۔ اسی اصول کی رو سے اسے ہری سنگھ ڈوگرا کی سرداری کا حق تسلیم کرنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ اقتدار تو کشمیری عوام کو حاصل تھا اس حقیقت کا اعتراف تو خود گاندھی جی کر چکے تھے۔ انھوں نے دو اگست ۱۹۴۷ء کو قیام پاکستان سے ۱۲ دن پہلے کشمیر سے واپسی پر واہ میں اخبار نویسوں کو بیان دیتے ہوئے کہا تھا:۔

" آزادی کے بعد ہری سنگھ ڈوگرے کو کشمیر پر کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ اس کا اختیار انگریز کی عطا تھا۔ وہ گیا تو وہ بھی گیا"

لطف یہ ہے کہ "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک کے سلسلے میں شیخ عبداللہ کو خود کانگریسی لیڈروں کی جواب اسی کے ساتھ مل کر کشمیری مسلمانوں کو مٹانے اور غلام بنانے کے درپے تھے حمایت حاصل تھی۔

پنڈت نہرو اسی ضمن میں گرفتار کئے جا چکے تھے۔ وہ شیخ صاحب کا مقدمہ لڑتے ہوئے صاف اور واشگاف الفاظ میں ہری سنگھ ڈوگرے کی حکومت کو ناجائز اور بے بنیاد ٹھہرا چکے تھے۔ اب کس اصول کی رو سے انھوں نے اسی ڈوگرے کی درخواست قبول کی تھی۔ ۲۶ر اکتوبر کو وہ خط لکھتا ہے کہ میری مدد کو آؤ اور پنڈت

نہرو ۲۷ر اکتوبر کو اپنی فوجیں ہوائی جہازوں سے سری نگر میں اتار دیتے ہیں اور صدیوں کے مظلوم، بے بس، مفلوک الحال کشمیریوں کو اپنی آزادی سے محروم کرنے کے لئے توپوں کے دہانے کھول دیتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں مودودی صاحب سے کہ کیا ایسی صورت حال میں اسلام اور قرآن حکیم انھیں یہی حکم دیتا ہے کہ پاکستان اور بھارت کے باہمی معاہدات کو دیکھو۔ یہ نہ دیکھو کہ ان کا تعلق سرزمین کشمیر سے نہیں ہے یہ بھی نہ دیکھو کہ تمہارے بھائی درندوں کی خوراک بن رہے ہیں۔ یہ بھی نہ دیکھو کہ لاکھوں مہاجرین کشمیر کا مسئلہ تمہارے ملک کے مہاجرین کے مسئلے کے ساتھ مل کر تمہاری معیشت و معاشرت دونوں کو الٹ دیگا۔ ان کی مدد کرنا گویا اپنی مدد کرنا ہے۔ یہ بھی نہ دیکھو کہ اگر بھارتی ملوکیت پرست کشمیر پہ قابض ہو گئے تو پاکستان دو دن کا مہمان ہے یہ بھی نہ دیکھو کہ یہ کانگریسی حکمران کسی اصول کسی اخلاقی شرط کسی معاہدے کی پرکاہ کے برابر وقعت نہیں دیتے۔ انھوں نے نہ صرف پاکستان سے کئے ہوئے معاہدوں کی دھجیاں بکھیری تھیں بلکہ اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو بھی نقش بر آب سمجھا۔ ایسے ہمسائے سے کئے ہوئے معاہدے کے پیش نظر ان تمام باتوں سے پہلو تہی کرنا یقیناً اسلام کے منافی تھا۔ کیونکہ وہ جو دانستہ کنوئیں میں گرتا ہے اپنی ہلاکت کو خود آواز دیتا ہے اپنے ایمان کا خود دشمن ہے اور اس کے مسلمان رہنے میں شبہ کیا جا سکتا ہے۔

لیکن مودودی صاحب ان تمام حالات اور واقعات کے قائل نہ ہوئے انھوں نے قرآن حکیم کی آڑ لیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

" آپ کا یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کہ حکومتوں کے باہمی معاہدات کے باوجود ہمارے افراد اپنے ضمیر کے مطابق سرحد پار کی کسی جنگ میں رضاکارانہ حصہ لے سکتے ہیں۔ آپ اس طرز عمل کے لئے بین الاقوامی دستور کو حجت میں پیش

کرتے ہیں۔ مگر ہمارا کام دنیا کے کسی بین الاقوامی دستور کی پیروی کرنا نہیں ہے بلکہ اگر ہم مسلمان ہیں تو ہمیں صرف قرآن کی پیروی کرنی چاہیئے"۔ (ترجمان القرآن جون ۴۸ء)

چلئے ایک منٹ کے لئے ہم مودودی صاحب کو مفتی سمجھ لیتے ہیں ایک منٹ کے لئے تسلیم کر لیتے ہیں کہ قرآن حکیم کا فیصلہ وہی ہے جس کی تشریح مودودی صاحب نے فرمائی۔ لیکن جب قرآنی حکم کی رو سے کوئی پاکستانی اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد کے لئے رضاکارانہ طور پر بھی حصہ نہیں لے سکتا تھا اسی فیصلے کے مطابق اس نے مودودی صاحب کو یہ حق کیسے دیدیا کہ وہ اپنی حکومت اپنے ملک اور اپنے عوام کی بیخ کنی کریں۔ فتنوں کو بھڑکائیں منافرت اور منافقت کے جذبات کو ہوا دیں۔ لوگوں سے کہیں کہ جن قائدین نے تمہیں پاکستان بنا کے دیا ہے وہ تمہارے دشمن ہیں وہ اسلام کے دشمن ہیں۔ ان کو ختم کر دو اور مجھے اولی الامر بنا کر میرا اقتدار تسلیم کرو کہ میں مقتدالاعلیٰ مودودی ہوں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اس کا اشتہار ستمبر ۴۸ء کے ترجمان القرآن میں دیکھئے۔ فرماتے ہیں۔

"جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان سے تو میں صاف کہتا ہوں کہ موجودہ زمانے کی لادینی قومی جمہوریت تمہارے دین و ایمان کے قطعاً خلاف ہے تم اس کے آگے سر تسلیم خم کرو گے تو قرآن سے پیٹھ پھیر دو گے اس کے قیام و بقا میں حصہ لو گے تو اپنے رسولؐ سے غداری کرو گے اور اس کا جھنڈا اڑانے کے لئے اٹھو گے تو اپنے خدا کے خلاف علم بغاوت بلند کرو گے۔ جس اسلام کے نام پر تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو اس کی روح اس ناپاک نظام کی روح سے، اس کے بنیادی اصول اس کے بنیادی اصولوں سے اور اس کا ہر جزو اس کے ہر جزو سے برسر جنگ ہے اسلام اور نظام ایک دوسرے سے کہیں بھی مصالحت

نہیں کرتے۔ جہاں یہ نظام برسر اقتدار ہوگا وہاں اسلام نقش بر آب ہوگا اور جہاں اسلام برسر اقتدار ہوگا وہاں اس نظام کے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی۔ تم اگر واقعی اسی اسلام پر ایمان رکھتے ہو جسے قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے، تو تمہارا فرض ہے کہ جہاں بھی تم ہو، اس قوم پرستانہ لادینی جمہوریت کی مزاحمت کرو اور اس کے مقابلے میں خدا پرستانہ انسانی خلافت قائم کرنے کیلئے جدوجہد کرو۔ خصوصیت کے ساتھ جہاں تم بحیثیت ایک قوم کے برسر اقتدار ہو وہاں تو اگر تمہارے ہاتھوں سے اسلام کے اصلی نظام کے بجائے یہ کافرانہ نظام چلے اور اور چلے تو حیف ہے تمہاری اس جھوٹی مسلمانی پر جس کا نام لینے میں تم اتنے بلند آہنگ جس کا کام کرنے میں تم اتنے ہی چور ہو"۔

یہ درس ایک پاکستانی دے رہا تھا۔ یا بھارتی ایجنٹ جس کا مقصود پاکستان میں انتشار پھیلانے کے سوا کچھ نہ تھا۔ جو خدا اور رسولؐ کے نام کو اپنی اغراض کے لئے آلہ کار کے طور پر استعمال کر رہا تھا ادھر مودودی صاحب کو اسلامی نظام کی پڑی ہوئی تھی اور یہاں پاکستان ہی ختم ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن اقتدار کی بھوک نے انہیں اندھا کر دیا۔ ادھر وہ قرآن حکیم کی آیات کو توڑ موڑ کر قوم میں پھوٹ ڈال کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتے تھے۔ ادھر تو مملکت پاکستان کی کشتی ہی ڈوبتی نظر آ رہی تھی پنڈت نہرو شیخ عبداللہ کو خط پہ خط لکھ کر یقین دلا رہے تھے۔ کہ یہ تماشا دو دن کا ہے۔ تمہاری قوم پاکستان مانگتی ہے تو حماقت کرتی ہے۔ ہم اس پاکستان کو چند دنوں میں ختم کر دیں گے بعد میں پچھتاؤ گے اس لئے ہمارے ساتھ چلے چلو۔ وہ کشمیر کو ہڑپ کرنے کے بعد پاکستان پر کئی محاذوں سے حملہ کرنے کی فکر میں تھے۔ ادھر حضرت قائد اعظم اپنے آخری سانس لے رہے تھے دکن پر حملے کی تیاریاں ہو چکی تھیں۔ یو پی میں مسلمانوں کا جینا حرام ہو رہا تھا۔ جگہ جگہ فسادات

اور قتل و غارت سے مسلمانوں کو ذلیل و خوار کیا جا رہا تھا۔ پاکستان میں پناہ گزینوں کے
قافلے بدستور آ رہے تھے اور ان کی آبادکاری کا مسئلہ روز بروز سخت ہوتا جا رہا تھا۔ یہ سب
کچھ ہر شخص کی آنکھوں کے سامنے تھا اور ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ نہ اب جائے ماندن نہ
پائے رفتن والا معاملہ ہے۔ لیکن مودودی صاحب اپنا سارا زور بیان اس پر صرف کر رہے
تھے کہ تم اس "کافرانہ" نظام کو ختم کر دو، ورنہ تم جھوٹے مسلمان ہو۔ کیونکہ یہ اللہ کا فرمان"
ہے۔ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عائد کردہ فرض ہے جو تمہیں فوراً پورا کرنا ہوگا۔ یہ
قرآن کا لکھا ہے ——— کسی لٹی پٹی بدحال، پریشان و نڈھال قوم کے حال زار
پر مودودی صاحب کا یہ "رحم" کس قدر "اسلامی" ہے ——— ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو
قدرے توقف کر لیتا کہ ابھی وقت کا تقاضا اس کے خلاف ہے۔ کسے ہوش تھا کہ
مودودی صاحب آیات قرآنی سے کیا مذاق فرما رہے ہیں۔ انہیں کس کو مٹانے اور کس کو
برسر اقتدار لانے کیلئے استعمال کر رہے ہیں۔ قائد اعظم علیہ الرحمۃ کے جیتے جی تو کوئی
انہیں قبول کرنے کیلئے تیار نہ تھا اس پر ہر شخص کی پریشانیاں اسے مہلت ہی نہ دیتی
تھیں کہ فریب حکومت میں سیخ پا مودودی صاحب کے بے رحم جذبات کی تسکین
کے لئے سڑکوں پر ننگا ناچنا شروع کر دیتا۔ چنانچہ وہ پا در ہوا شر انگیزی کیلئے
ہر تنکے کو پھونک مارتے رہے کہ شاید سلگ اٹھے اور اس کے دھوئیں سے حکومت کی آنکھیں
ابل پڑیں اور مودودی صاحب اپنے گھریلو اسلام کا چشمہ لگائے مسند حکومت پر چڑھ بیٹھیں
الذیقی۔ سچ ہے ہوس اقتدار میں کچھ نہیں سوجھتا۔ غرض انسان کو دیوانہ کر دیتی ہے
مودودی صاحب کی اس روش پر نوائے وقت لاہور نے اپنی ۲۸ جولائی ۱۹۴۸ء
کی اشاعت میں لکھا:۔

"ہم ان لوگوں کے حامی نہیں جو محض اپنی لیڈری کی دکان کو
چمکانے کے لئے شریعت کا نعرہ بلند کر رہے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی

تعداد بھی کچھ کم نہیں۔ ان میں ایک گروہ ایسے افراد کا ہے جو مختلف وجوہ
سے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء تک پاکستان کی مخالفت کرتے رہے ہیں اور
آج بھی ان کی رائے یہی ہے کہ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے سامنے پاکستان
کا نصب العین رکھ کر غلطی کی۔ مگر چونکہ عامۃ المسلمین پاکستان کے خلاف
کوئی بات سننے کی روادار نہیں۔ اور لیگ بھی پرانی پالیسی ابھی خالی
از خطر نہیں۔ اس لئے یہ بزرگ نئے بھیس بدل کر مسلمانوں کے سامنے
آ رہے ہیں۔ بقول کسے جن لوگوں کے نزدیک کل تک ایک حکومت
کے قیام کا مطالبہ غلط تھا۔ آج وہ اسلامی حکومت کے قیام کے داعی
و علمبردار ہیں۔ مگر مسلمانوں اور اسلام کی خدمت نہ پہلے ان کا مقصد
تھا نہ اب ہے۔ ان بزرگوں نے نہ پہلے کبھی مسلمانوں کی جدوجہد
میں حصہ لیا اور نہ آج حصہ لے رہے ہیں ان کی حیثیت پہلے بھی
نکتہ چین تماشائیوں یا دشمن کے طرفداروں کی تھی۔ اور آج
بھی وہ دور از کار موشگافیوں میں مشغول ہیں اور میخ میخ نکالنے کو
ہی قوم کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے ہیں۔"

اس رائے سے کسے اختلاف ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب نے مسئلہ
کشمیر کے سلسلے میں جو رویہ اختیار کیا، وہ بھی اسی کی ایک کڑی تھی۔ اس کی سیاسی
کم نظری اور خود غرضی کی پٹی انہیں حقیقی صورت حال دیکھنے کی اجازت نہیں
دے رہی تھی۔ لہذا وہ قرآن حکیم کی ان ہی آیات کو وہی مطالب پہنا رہے تھے
جو ان کے کام آ سکیں یا کم از کم بھارتی حکومت کے لئے مفید ہوں کہ یہ زاویۂ نظر
پاکستان کیلئے کسی طرح بھی کارگر نہ تھا۔ ہم کیسے من حیث القوم کشمیر میں بھارتی تسلط
قبول کر لیتے کہ اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ہم دشمن کو پاکستان پر حملہ کرنے

کے لیے ایک اور محاذ کھولنے کی مہلت دے دیتے۔ ہم کیسے اپنے کشمیری بھائیوں کی گردن میں اپنی آنکھوں کے سامنے زنگر ستا ہی — بھارتی ہندو کی غلامی کا جوا ڈلوانے پر رضامند ہو جاتے۔ یہ اور دوسری کئی وجوہ جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ ہمیں مجبور کر رہی تھیں کہ اگر ہم اجتماعی طور پر جنگ نہیں کر سکتے تو کم از کم انفرادی اور رضاکارانہ طور پر ہی بھارتی حملہ آوروں سے ٹکر لیں۔ اپنے بھائیوں کو آزاد کرائیں یا کم از کم انہیں حق خود اختیاری دلوانے میں ان کی مدد کریں تاکہ وہ ایک زندہ قوم کی حیثیت سے اپنے ملک اور مستقبل کا خود فیصلہ کر سکیں۔ لیکن مودودی صاحب اپنی ہٹ پر قائم تھے۔ وہ پاکستان میں بھارتی مدد کے لیے ایک محاذ کھولے بیٹھے تھے۔ اور اس پر بھی انہوں نے قرآن حکیم کا لیبل چپکا رکھا تھا جیسے ان کو قرآن حکیم نے اس ملک کے مفادات سے روگردانی کرنے، اس کی حکومت سے ٹکر لینے اور اس کے عوام کا قلع قمع کرنے کی کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ جیسے وہ اس ملک سے دور کا رشتہ بھی نہ رکھتے تھے اور ان پر شہری کی حیثیت سے کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی تھی۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"آپ کا یہ بیان امر واقعہ کی حد تک بالکل درست ہے کہ کشمیر کے معاملہ میں حکومت ہند اور حکومت پاکستان کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے۔ بلکہ یہ معاملہ ان کے درمیان مابہ النزاع ہے اور حکومت پاکستان انڈین یونین کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو تسلیم کرنے سے انکار کر چکی ہے۔ لیکن اس امر واقعہ سے آپ کا یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ ہم کشمیر میں جنگی کارروائیاں کرنے کے لیے آزاد ہیں۔"

(ترجمان القرآن صفحہ ۱۲۳۔ جون ۱۹۴۸ء)

مودودی صاحب کی بھارتی کانگریس سے وفاداری کی اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی جس کے وہ نمک خوار رہ چکے تھے۔ یا شاید اب تک ہوں۔ کوئی شریف النفس محب وطن، محب

قوم، محب قرآن، محب رسول اس روش کو اختیار نہیں کر سکتا۔ جو خالصتاً کمیونسٹ عقائد کے مطابق ہے کہ انتشار پیدا کرو اور اس سے جو ہڑبونگ مچے، اس میں اپنے پنجے گاڑ کر، حکمران بن جاؤ۔

نوائے وقت لاہور نے اپنی ۱۵ اگست ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں مودودی صاحب کی قلعی جس طرح کھولی ہے وہ اس صورتحال پر بہترین تبصرہ ہے، ملاحظہ ہو:۔

"مودودی صاحب علم دین کے لحاظ سے کوئی زیادہ ممتاز شخصیت نہیں۔ آپ ایک اچھے انشاء پرداز اور ادیب ہیں۔ مگر دین کے متعلق آپ کا علم کچھ زیادہ قابل اعتماد نہیں۔ بدقسمتی سے مودودی صاحب صرف علم و ادب میں منتہی ہونے کے دعویدار ہی نہیں۔ امارت کے مدعی بھی ہیں۔ اس لئے آپ برابر اس پر اصرار کئے جا رہے ہیں کہ باقی سب کی رائے غلط ہے اور جو میں کہتا ہوں وہی صحیح ہے۔ مولانا مودودی کی رائے یہ ہے کہ از روئے معاہدہ، مہاراجہ کشمیر کو ہندوستان سے الحاق کا حق حاصل تھا۔ اور پاکستان یہ نہیں کہہ سکتا کہ کشمیر کے معاملے میں ہمارا ہندوستان سے کوئی معاہدہ ہی نہیں۔ مولانا کل جھگڑوں اور مصیبتوں کی ذمہ داری "ہمارے لیڈروں کی پیہم غلطی" پر ڈالتے ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک ہری سنگھ اور پٹیل تو بے گناہ ہیں۔ وہ سارا قصور جناح، غلام عباس اور ابراہیم کا ہے۔"

دیکھا آپ نے قوم کی آواز کیا ہے اور مودودی صاحب کی آواز کیا ہے۔ آخر وہ قوم کے فیصلے کے مخالف، ضمیر کی آواز کے خلاف اصولوں اور حقائق کے خلاف ایسی باتیں کیوں کر رہے تھے جن کا ماحصل قومی اور اسلامی نقصان و زیاں کے سوا کچھ نہ ہو۔ شاید آپ اس پر انہیں ہدیۂ تبریک پیش کریں کہ وہ اللہ اور اس کے قرآن کے فیصلے کے خلاف کچھ سننا اور

دیکھنا گوارا نہیں کرتے ۔ اس لئے انھیں پاکستان کا مٹنا قبول، کشمیر کی تباہی قبول، ۳۲ لاکھ مسلمانانِ کشمیر کی خونریزی قبول ۔ اپنے ملک کا انتشار قبول، غرضیکہ دنیا کی ساری جزئیں قبول تھیں ۔ تو دیکھنا یہ ہے کہ آیا ان کا فیصلہ قرآنِ حکیم کا فیصلہ تھا بھی کہ نہیں ۔ اس سلسلے میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس ناجائز فتویٰ پر جو خط مودودی صاحب کو لکھا اس میں کہا گیا تھا کہ ۔

"قرآنی احکام کی رو سے جنگِ کشمیر جہاد ہے ۔ اور یہ کہ مودودی صاحب خدا تعالےٰ کی بارگاہ میں اپنے اس گناہ کی معافی مانگیں ورنہ وہ بھی بخشے نہیں جائیں گے "

آپ پوچھیں گے ۔ کہ مودودی صاحب نے اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں اپنے گناہ کی معافی مانگی ۔ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے ۔ اس لئے کہ انھوں نے اس کا اعتراف قوم اور ملک کے سامنے نہیں کیا ۔ انھوں نے اس سوال پر بھی ملک میں جو پھوٹ ڈلوانا چاہی تھی اس کا تدارک نہیں کیا شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کے اس مراسلے کے بعد انھیں اپنی غلط روش اور ہٹ دھرمی کا احساس ہو جانا چاہیئے تھا ۔ لیکن حیف ہے اس غرورِ علم و دانش پر جس نے شرعِ دینِ متین کو اپنے گھر کی لونڈی بنا لیا اور اللہ تبارک تعالےٰ کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا ۔

مودودی صاحب کے اس رویئے نے شیخ الاسلام کو مجبور کیا کہ وہ دوسرے علمائے اسلام سے رجوع کریں ۔ اور انھوں نے جہادِ کشمیر سے متعلق اپنے دو فتادے علمائے اسلام کی خدمت میں پیش کئے ۔ ہر دو فتووں کی تصدیق کے لئے علمائے حرم، علمائے جامعہ ازہر (مصر) شام، حضرموت، کردستان، ایران کے علماء کا ایک اجلاس مدرسہ سعودیہ میں، حضرت شیخ حسن البناء المرشد عام انجمن اخوان المسلمین کی صدارت میں ہوا ۔ اور اس میں تمام علماء نے ہر دو فتاویٰ کی تصدیق فرمائی، یعنی جنگِ کشمیر کو شرعی جہاد قرار دیا اور افغانستان

ایران اور پاکستان پر بالخصوص اور دیگر تمام عالمِ اسلام کی بالعموم اس میں نصرت لازم قرار دی اور قرار دیا کہ جو پاکستان کی اسلامی سلطنت کو نقصان پہنچائے وہ کافر ہے اور ایسا فعل حرام ہے ۔

یہ فتویٰ تمام دنیائے اسلام کے مقتدر علماء کا تھا اور ۲۴ر نومبر ۱۹۴۸ء کے تمام اخبارات میں شائع ہوا ۔ اس کی رو سے نہ صرف جنگِ کشمیر شرعی جہاد قرار دیا گیا تھا بلکہ پاکستان کی اسلامی سلطنت کو نقصان پہنچانے والے کو کافر بھی ٹھہرایا گیا تھا اور اس کے فعل کو حرام، بھی گردانا گیا تھا ۔

اب فرمائیے اس شخص کو کیا کرنا چاہیئے تھا ۔ جو خود کو بزعم خویش عالمِ دین، اور جماعت اسلامی کا امیر اور پاکستان کی امارت کا مدعی سمجھتا تھا ۔ کیا اس کا فرض نہ تھا کہ اپنے فعل حرام سے توبہ کرتا اور دوبارہ مشرف بہ اسلام ہو کر اپنے کافرانہ کردار سے باز آتا لیکن نہیں صاحب مودودی صاحب کو یہ سعادت نہ ہوئی ۔ علمائے اسلام نے انھیں کافر ٹھہرایا اور وہ اسلام کے سب سے بڑے ٹھیکیدار بنے رہے اور اس کا جواز سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ ؎

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے
مرے بتخانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

(غالب)

قرارداد مقاصد اور۔ اس کے بعد

بت کریں آرزو خدائی کی ۔ !
شان ہے تیری کبریائی کی

مودودی صاحب کے بارے میں علمائے اسلام نے جو فتویٰ دیا اس کے بعد انھیں اپنے خود ساختہ اسلام کی اشاعت کا حق نہیں ملنا چاہیئے تھا۔ اپنے قول و فعل کی رو سے وہ کبھی اس ملک کے وفادار نہیں رہے ۔ انھوں نے اس ملک کی قیادت پر جسقدر رکیک حملے کئے اس کی حکومت کے خلاف جسقدر زہر اگلا۔ اور جسقدر عوام کو بغاوت پر اکسایا، وہ کسی ایماندار اور وفادار شہری کا خاصہ نہیں ہو سکتا چنانچہ نوائے وقت لاہور نے اپنی ۱۹ اگست ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں یہ لکھنے پر مجبور ہوا

"اس ملک میں بعض لوگ اب تک ریاست کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہیں ۔ وہ ریاست کی بنیاد ہی کو غلط بتلاتے ہیں اور اس سے وفاداری کا حلف اٹھانے سے انکار کرتے ہیں ۔ حکومت اور ریاست کا فرق بہت باریک رہ گیا ہے ۔ اور بعض عناصر اس سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں وہ ریاست پر براہ راست حملہ نہیں کرتے بلکہ قائداعظم اور قائداعظم کے ساتھیوں اور نائبوں پر حملہ کرتے ہیں اور آزادی تحریر و تقریر کی آڑ میں حکومت کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں مصروف ہیں ۔ شہری آزادی کا یہ ایک ایسا حق ہے جس کا استعمال خود ملک کے شہریوں کے حق میں مہلک ثابت ہوگا۔"

ضرورت اس امر کی تھی کہ مودودی صاحب کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کرکے ان کے کردار کا آئینہ دکھایا جاتا اور پھر انصاف جو فیصلہ کرتا، اس کے مطابق ان سے سلوک روا رکھا جاتا۔ لیکن حکومت پاکستان نے اسلامی روایات اور فراخ حوصلگی کا ثبوت دیتے ہوئے انھیں کھلی چھٹی دی کہ بغاوت کرنے کے لئے اللہ اور رسول کے نام کو جسقدر چاہیں استعمال کریں ۔ اللہ اور رسول پر جتنے چاہیں بہتان باندھیں، قرآن حکیم کی آیات کو جیسے چاہیں معنی دیں ۔ آپ کا معاملہ اللہ اور رسول ہی کے ہاتھ میں ہے، اس نے جسطرح آپ کو پاکستان کی مخالفت میں ناکام کرکے اسلام کا باغی ثابت کیا ۔ اس نے جسطرح جہاد کشمیر میں آپ کے غیر اسلامی "فتوے" کو حرف غلط قرار دے کر آپ کو رسوا کیا ۔ اسی طرح ان ذلیل حربوں کو بھی ناکام بنا دے گا ۔ کہ وہ اپنے اور اپنے حبیبؐ کے ناموں کی عظمت اور تقدیس کا خود رکھوالا ہے اس نے ہمیں پاکستان عطا کیا ہے، اس کا رکھوالا ہے ۔ اس نے بھارتی تنگ نظر حکمرانوں کو اس کا بال بیکا کرنے کی توفیق نہیں دی تو یہی مودودی صاحب کے ناپاک عزائم کا قلع قمع کرے گا ۔ شاید یہی تھے اصل پاکستان اور حکومت پاکستان کے تاثرات کہ کسی نے ان کی فتنہ پردازیوں کو درخور اعتنا نہ جانا ۔ اور یہ حضرت اپنی عادت سے مجبور اپنے اقتدار کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے رہے

مارچ ۱۹۴۹ء میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے "قرارداد مقاصد" منظور کی جس میں واضح کیا گیا کہ حکومت صرف خدا کے لئے ہے پاکستان کا دستور ان جمہوری اصولوں کے مطابق بنایا جائے گا جو اسلام نے پیش کئے ہیں ۔ اس قرارداد میں وعدہ کیا گیا تھا کہ مسلمان کتاب و سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائیں گے اور مذہبی اقلیتوں کو شہریت کے پورے اور مساوی حقوق حاصل رہیں گے ۔

مودودی صاحب کو خدا کی حاکمیت، اور کتاب و سنت کے مطابق دستور حیات چاہتے تھے ۔ تو اس کی ضمانت پوری قوم کی دستور ساز اسمبلی نے دے دی ۔

حکومت نے اس پر تصدیق کی مہر ثبت کر دی اب ان کا فرض تھا کہ مخالفت ترک کر کے، کوئی اور معقول تعمیری کام کرتے۔ لیکن ملک و قوم کی تعمیر سے انھیں کیا غرض وہ تو اقتدار کے لئے تخریب چاہتے تھے۔ جون ۱۹۴۹ء کے ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں۔

"جماعت اسلامی ٹھیک ایسی ہی ایک ہمہ گیر اور اصولی تبدیلی کا پروگرام لے کر میدان میں آئی ہے۔ وہ ایک طرف اس فکر کو شکست دینا چاہتی ہے جس فکر کے محور پر دورِ حاضر کا نظام اپنی مختلف شکلوں کے ساتھ چل رہا ہے اور وہ نظام حیات کی تعمیرِ نو کے لئے اعلیٰ درجہ کے پاکیزہ اصول سامنے لا رہی ہے۔ دوسری طرف وہ اپنی اسلامی فکر کے مزاج کے مطابق ایک نئی قیادت کو نشو و نما دے کر شیاطینِ انس سے تہذیب کی زمام کار سلب کر کے انسانیت کو جاہلیت کے اقتدار سے پوری طرح نجات دلانے کا پروگرام لے کر چلی ہے جماعت اسلامی کی انقلابی تحریک کے منصوبے کا جتنا یہ جز اہم ہے، کہ انسانی حاکمیت و قانون سازی کی معصیت عظمیٰ سے بندگانِ خدا کو نجات دلا کر سیاست و تمدن کی ساری عمارت خدا کی بندگی و اطاعت اور خدا کی ہدایت کی پابندی کے اصل الاصول پر استوار کی جائے اتنا ہی اس کا یہ جز بھی اہم ہے کہ اقتدار کی باگیں خدا ناشناس اور اخلاق باختہ افراد اور جماعتوں اور قوموں سے چھین کر ایسے خدا ترس اور بلند سیرت انسانوں کے سپرد کی جائیں، جو پوری زمین کا نمک ہوں"

دیکھا آپ نے شہید ملت لیاقت علی خاں کی حکومت "شیاطینِ انس، جاہلیت کا اقتدار، خدا ناشناس اور" اخلاق باختہ "تھی۔ اور خود بدولت" خدا ترس اور بلند سیرت اور پوری زمین کا نمک"۔!!

مودودی صاحب کی "خداترسی" بلندی سیرت" اور" پوری زمین کے نمک" ہونے میں کسے شک ہے۔ یہ تمام صفحات جو انہی کی تحریروں پر مبنی ہیں۔ اس کی شہادت دیتے ہیں۔ یہی نہیں۔ علمائے اسلام اس کی گواہی دے چکے ہیں۔!!!۔ استغفر اللہ

غور کیجئے کہ قرارداد مقاصد کے بعد بھی انھیں اسی نظریہ کو فروغ دینے کی ضرورت تھی جس کا اظہار یہاں کیا گیا ہے۔ لے دے کے تان وہیں ٹوٹتی ہے کہ موجودہ قیادت کو بدل دیا جائے۔ اور قیادت جماعت اسلامی کے سپرد کر دی جائے جو" انسانیت کو جاہلیت کے اقتدار سے نجات دلانے کا پروگرام لے کر چلی ہے" لیکن اس پروگرام پر عمل کا کہیں پتہ نہیں۔

مارچ ۱۹۴۹ء کی قرارداد مقاصد پر اس وقت جس بے اعتنائی اور لاپرواہی کو روا رکھا گیا اور جس کے قدرتی تاثر کے بجائے "انقلابی" پروگرام پیش کیا جاتا رہا اس کے بارے میں ستمبر ۱۹۵۱ء میں ارشاد ہوا:۔

"اس قرارداد سے پاکستان کی آئینی حیثیت میں جو تغیر ہوا ہے وہ درحقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ یہ ملک اصولاً دارالاسلام بن گیا ہے اس "ذرا سے تغیر" نے وہ سب کچھ ہمیں نہیں دے دیا ہے۔ جو ہمیں مطلوب تھا۔ ایک بہت بڑا کام باقی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس مملکت کو عملاً دارالاسلام بنایا جائے"

حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ مودودی صاحب پاکستان اور حکومت پاکستان کے ہر عمل کو فوری طور پر اس قدر مخالفانہ اندازِ نظر سے کیوں دیکھتے ہیں۔ ہر اس بات کو جو خود انھیں کے معیار اور اعلانات کے مطابق ہوتی ہے۔ تصر انداز فرماتے ہیں ہر اس بات پر جو ان کے ہمدردانہ غور و فکر، خلوص نیت اور رضاکارانہ اعانت کی متقاضی ہوتی ہے۔ آپ مخالفت کے نئے پینترے تلاش کرتے ہیں۔ قرارداد مقاصد پر مودودی

صاحب کا رویہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ فی الفور اپنے ہتھیار ڈالدیتے۔ اپنی جماعت کو عوام کے
اخلاق سدھارنے پر مامور فرماتے اور اس طرح اپنے لئے اس مقام پر پہنچ جاتے جہاں انکی آواز
کو آئین سازی کے لئے موافق و ہمنوا سمجھا جاتا۔ اس کے برعکس جب اہل قوم و ملک نے دیکھ
لیا کہ انھیں الزام تراشی، دشنام گوئی اور کافر سازی کے کام ہی سے فرصت نہیں اور وہ
کسی اقدام کی صحت کو تسلیم کرنے ہی کے لئے تیار نہیں، تو پھر انھیں ملک کا بالغ نظر صحت
مند شہری کیوں سمجھا جاتا۔ یہ اطوار کسی اعلیٰ ذہن و شعور کے غماز نہ تھے۔ فرماتے ہیں۔
"غور کیجئے اتنی بڑی قربانی آپ کی قوم نے کس مقصد کے لئے دی ہے

کیا محض اس لئے کہ اس ملک میں ایک چھوٹی سی ریاست مسلمانوں
کی بھی قائم ہوجائے۔ اس طرح کی ریاست جس طرح افغانستان میں
افغانیوں کی، ایران میں ایرانیوں کی اور ترکی میں ترکوں کی ہے۔
اگر فی الواقعہ یہی چیز پیش نظر تھی تو میں عرض کرونگا کہ بڑی ہی حقیر چیز
کے لئے مسلمان قوم نے بہت بڑی چیز قربان کی اور یہ ساری قربانی
خسر الدنیا و الآخرت کی مصداق ہے"

(ص۱۷ ترجمان القرآن ۱۹۴۹ء)

اس ذہنیت کے مظاہرے پر اگر پاکستانی مسلمان، ازالۂ حیثیت عرفی کا،
دعوے کر دیتے تو بجا تھا۔ قیامت ہے کہ آگ اور خون کے طوفان سے گزر کر، کروڑ
مسلمانوں کو اپنی نجات کے لئے منزل مراد ہاتھ آئی اور اسے مودودی صاحب بزعم خویش
"بڑی ہی حقیر چیز" بتائیں اور خسر الدنیا و الآخرت کا فتویٰ صادر کریں۔ یہی تھے وہ
مسلمان جنھیں مولانا "مردے" قرار دیتے تھے۔ جن کو ہر اعتبار سے غلط سمجھتے
بے دین کہتے۔ جن کے مغربی تعلیم یافتہ لیڈر بھی "پشت بخزل" تھے اور جن کے علماء
اور مفتیانِ دین مبین بھی گمراہ تھے۔ انھیں مسلمانوں کی "قربانی" کو خسر الدنیا والآخرہ

قرار دینا کس رو سے جائز ہو سکتا ہے۔ مودودی صاحب کو اس پاکستان سے،
کوئی دلچسپی نہ تھی۔ انھوں نے اس کی ہر طرح مخالفت کی، اس لئے وہ اس کی حیثیت
اور حقیقت کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ چنانچہ یہ "چیز بڑی ہی حقیر تھی یا نہایت ہی اعلیٰ"،
اس کا فیصلہ صرف ان لوگوں کے ہاتھ تھا جنھوں نے "بہت بڑی قربانی" دی تھی مودودی
صاحب کو یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ جس منزل کے لئے وہ خود سدِ راہ تھے اس کی عظمت و
پستی کا فیصلہ صادر کرتے۔ اور اگر یہ قربانی فی الواقعہ بے نتیجہ تھی اور پاکستان "بڑی
ہی حقیر چیز" ہے تو پھر وہ اسکی طرف کیوں لپکے۔ انھیں اس کے قائدین کی مخالفت کا غم
کیوں کھانے لگا۔ اس "بڑی ہی حقیر چیز" کی امارت کے لئے انکی راتوں کی نیند کیوں حرام
ہوگئی۔ اور انھوں نے اس "بڑی ہی حقیر چیز" میں داخل ہوکر اسکی شہریت کا لیبل قبول
کرلیا۔ اس قسم کی نشتر زنی اور شر انگیزی سے ان مجاہدین کے سینوں کو لہو لہان کر دیا۔
جن کے جذبۂ حریت اور جوشِ ایمانی نے ایک ناممکن الحصول منزل کو حاصل کیا۔ پاکستان
کا قیام عمل میں آیا۔ اور تمام دنیائے اسلام کے لئے ... بن گیا۔ مودودی صاحب
کو اس میں اور افغانستان و ایران میں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا تھا۔ حالانکہ وہ ملک ان
حکمرانوں کی تحویل میں ہیں جو عوامی نمائندگی کے ترجمان نہیں۔ اپنی شاہی کے علمبردار ہیں۔
وہاں قرار دادِ مقاصد کا عمل دخل نہیں۔ وہاں حکومت خدا کی نہیں، بادشاہوں کی ہے
لیکن یہاں ہم اپنے ہمسایہ ملک کی روش اور اندازِ حکومت کے حسن و قبح پر تبصرہ کرنے
کی گنجائش نہیں پاتے۔ مقصود محض مودودی صاحب کو احساس دلانا ہے کہ پاکستان
اور مسلمانوں کے دوسرے ممالک میں ایک نمایاں فرق تو یہ ہے جس کا انھوں نے خیال،
نہیں کیا دوسرا فرق یہ ہے کہ پاکستان مسلمانوں کی تمناؤں کا حاصل ہے انکی آرزوؤں
کا گہوارہ ہے اس لئے ان کے جوش و ولولہ کی قدر نہ کرنا انکو زیب نہیں دیتا۔
لیکن مودودی صاحب تو اپنے اقتدار کے لئے افتراقِ ملی و نفاقِ قومی کا چرچہ ضروری

سمجھتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں۔

"پاکستان جن عناصر پر مشتمل ہے ان میں دوسری تفریق جغرافیائی
نسلی اور لسانی ہے۔ پاکستان اول تو دو ایسے خطوں پر مشتمل ہے
جن کے درمیان ایک ہزار میل سے زائد کا فاصلہ ہے، پھر یہ خطے بھی
اپنی اپنی جگہ اندرونی جگہ نہیں رکھتے، بلکہ مختلف اجزاء سے مرکب ہیں
اور ہر جز دوسرے جز کے خلاف تعصب رکھتا ہے۔ اس وقت درحقیقت
ہم ایک قوم نہیں ہیں، پانچ مختلف قومیں ہیں۔ جو مصنوعی طور پر ایک
سیاسی وحدت میں منسلک ہو گئی ہیں۔ یعنی، سندھی، بلوچی، پٹھان۔
پنجابی اور بنگالی ان میں سے ہر ایک قوم کے اندر علیحدگی کا رجحان شدت
کے ساتھ پایا جاتا ہے" (۱۹۴۸ء اگست)

کاش مودودی صاحب سچے دل سے تحریک پاکستان کو قبول کر لیتے۔ یا کم از
معقولیت ہی کا مطالعہ کرتے۔ تو انھیں پتہ چلتا کہ جس مرکزی تصور نے پاکستان کے
لئے اتنی بڑی قربانی دلوائی وہ زمین کا ایک قطعہ نہ تھا جو جغرافیائی طور پر خود حصّوں میں
منقسم تھا۔ بلکہ ایمان و ایقان کا نقطۂ پرکار تھا۔ اگر جغرافیائی وحدت ہی قوم کی مرکزیت
کی ضامن ہوتی۔ تو اللہ کریم اسلام کا مرکز بیت اللہ میں قائم کر کے ہزارہا میل کے جغرافیائی
فاصلوں کو اس سے منسلک کرنے کا حکم نہ دیتا۔ مودودی صاحب کو جو بات سوجھتی ہے
اسکا انحصار اسلام پر نہیں ورنہ انھیں یاد آتا کہ انسانی فاصلے جذبے اور تعلق سے ناپے
جاتے ہیں میلوں اور گزوں سے نہیں۔ دنیائے اسلام ایک ہے اس لئے کہ سب ایک ہی
خدا، ایک ہی رسول۔ ایک ہی قوم اور ایک ہی جذبے سے سرشار ہیں ان کے درمیان جغرافیائی
لسانی، نسلی اور مقامی رنگ و بو کی دیواریں کھڑی نہیں ہو سکتیں اور اسی وحدت نے مشرقی
اور مغربی پاکستان کے درمیان کا ہزار میل کا فاصلہ یکسر ختم کر دیا اور درمیان کے جغرافیائی

حصّے کو جو اب بھارت کے نام سے موسوم ہے، جغرافیائی قرب کے باوصف اسقدر بعید کر دیا
کہ ہزار سال کی ذہنی یگانت اور سماجی اور ثقافتی ہم آہنگی و یک رنگی بھی اسے قریب نہ کر سکی
کیا مودودی صاحب بھول گئے کہ یہی تھے وہ لوگ، جن پر وہ اپنی حکومتِ الٰہیہ کا قیام
چاہتے تھے۔ کیا اس قیام میں کوئی جغرافیائی، لسانی، یا نسلی قید حائل تھی۔ اگر نہیں تو
اس کا ذکر قیام پاکستان کے سلسلے میں انھیں کیوں پریشان کر رہا تھا۔ ؎

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے + وہ شے کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

رہی پانچ قوموں کی مصنوعی سیاسی وحدت تو عرض یہ ہے کہ اس کا جواب بھی
وہی ہے جو اوپر دیا جا چکا ہے۔

ظاہرا از غم دیں دردمند　　　باطنش چوں دیریاں زنّار بند

اگست ۱۹۴۸ء میں آپ نے سندھی، بلوچیوں، پٹھانوں، پنجابیوں میں علیحدگی
کا رجحان شدت سے محسوس کیا تھا۔ الحمد للہ کہ انکا یہ احساس بھی باطل ثابت ہوا جب انکی
ایک وحدت قائم ہو گئی تو فرمایا :-

"اس ملک کے لئے حقیقی اہمیت ان تفصیلات کی نہیں کہ مغربی،
پاکستان کا ایک یونٹ ہو، یا کئی یونٹ ہوں اور ملک کے دونوں حصّوں
کو خود مختاری دے کر مرکز کو کمزور کیا جائے یا طاقتور مرکز رکھکر دونوں
کو اس کا تابع رکھا جائے بلکہ حقیقی اہمیت اس چیز کی ہے کہ ہم ایک
صحیح اسلامی و جمہوری نظام قائم کریں، جو سب کو متحد اور مطمئن رکھ
سکے یہ چیز اگر قائم ہو جائے تو ان تفصیلات کی جو شکل بھی اختیار کیجائے
کی انشاء اللہ کامیاب ہو گی۔ ورنہ ہر شکل آخر کار نئی نئی خرابیوں
کی موجب ہو گی"

(ترجمان القرآن صہ ۴۳۲ اگست ۱۹۵۵ء)

ع - ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

دیکھا آپ نے جس جس حربہ کو ملک و ملت میں انتشار کے لئے آزمایا جاتا ہے جب اس کا تدارک ہو جاتا ہے تو آپ اسے یکسر ناقابلِ التفات قرار دے کر "پھر وہی ڈفلی پھر وہی راگ" کا سلسلہ چھیڑ دیتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کا ماتم کیا کہ یہ بڑی ہی حقیر چیز، بہت بڑی قربانی دے کر پائی گئی ہے، اور دونوں ملکوں کے خدا ترس لوگ باہمی نیک نیتی سے کچھ کر دکھائیں تو غنیمت ہو ورنہ ؟ —— ہاں ! — پھر شرط یہ رکھی کہ قیادت مجھے دیجئے ورنہ ؟ — پھر ارشاد ہوا کہ پاکستان میں حکومت خدا کی ہے تو پاکستان ورنہ "ناپاکستان"۔ ۱۹۴۹ء میں قراردادِ پاکستان میں یہ فیصلہ ہوا تو لگے قائدینِ ملک و قوم کو صلواتیں سنانے۔ ۱۹۴۹ء میں جغرافیائی فاصلوں کا غم ستا رہا تھا، اور پانچ قوموں کے تعصبات کا وہ "ڈر" کا تھا" جن کے اندر شدت سے علیحدگی کا رجحان پایا جاتا تھا۔ ۱۹۵۵ء میں جب اس کے برعکس ایک یونٹ کا تصور ابھرا تو ارشاد ہوا کہ یہ تو کوئی بات نہیں صحیح اسلامی نظام قائم کرو جو سب کو متحد اور مطمئن کر سکے" تو ہوئی نہ بات ورنہ — ہاں ! — اور ظاہر ہے کہ یہ صحیح اسلامی نظام مودودی صاحب کی امارت کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کوئی متحد و مطمئن نہیں ہونے کا۔ اس ذہنیت کا کیا علاج ! فروری ۱۹۴۶ء میں یعنی قیامِ پاکستان سے ڈیڑھ سال پہلے مودودی صاحب لکھ رہے تھے کہ ۔

"جنت الحمقاء میں رہنے والے لوگ اپنے خوابوں میں خواہ کتنے ہی سبز باغ دیکھ رہے ہوں لیکن آزاد پاکستان (اگر فی الواقعہ وہ بنا بھی تو) لازماً جمہوری لادینی سٹیٹ کے نظریے پر بنے گا۔ جس میں غیر مسلم اسی طرح برابر کے شریک ہوں گے جس طرح مسلمان اور پاکستان میں ان کی تعداد اتنی کم اور ان کی نمائندگی کی طاقت اتنی کمزور نہ ہوگی - کہ شریعت اسلامی کو

حکومت کا قانون اور قرآن کو اس جمہوری نظام کا دستور بنا سکے"

اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان قائم کرنے والے یقیناً جنت الحمقاء میں رہنے والے لوگ نہ تھے اور نہ وہ اپنے خوابوں میں سبز باغ دیکھ رہے تھے"

"آزاد پاکستان قائم ہوا تو جمہوری لادینی سیٹ کے نظریہ پر نہ بنا — یہ بات بھی غلط ثابت ہوئی - پھر اس میں غیر مسلم بھی برابر کے شریک نہ تھے - ان کی نمائندگی بھی مودودی صاحب کے خیال کے مطابق اتنی طاقت ور نہ تھی کہ شریعت اسلامی کو حکومت کا قانون اور قرآن کو جمہوری نظام کا دستور بنانے سے روک سکے - یہ سب کچھ غلط نکلا - پاکستان بفضلہ بنا قائداعظم نے اسے اسلامی سٹیٹ بنانے کا اعلان فرمایا - مسلمانوں کے لئے قرآنِ حکیم ہی کو قانون کی اساس ٹھہرایا - پھر اس کی تصدیق قراردادِ مقاصد سے ہوئی — اب تو اللہ کے بندوں کو اپنی "جنت الحمقاء" سے نکلنا چاہیئے تھا، اور اسلام کے نام پر لوگوں کو سبز باغ دکھانے سے گریز کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن نہیں وہ ہر مرحلے پر نیا انداز اختیار کر لیتے ہر قومی کارنامہ ان کے لئے بے معنی اور بے نتیجہ ہوتا - تین برس تک پاکستان اور بانیانِ پاکستان کو صلواتیں سنانے کے بعد اکتوبر ۱۹۵۰ء میں اچانک ایک نیا پینترہ بدلا گیا —" ارشاد ہوا ۔

"ہم نے مسلمانوں کے قومی تحفظ کے لئے کوشش کی تو اس لئے نہیں کہ دوسری قوموں کی طرح اس قوم کا بھی امتیازی وجود قائم رہے، بلکہ اس لئے کہ یہ قوم دنیا میں حق کی شہادت ادا کرنے کے لئے زندہ رہے۔ ہم نے ایک آزاد مملکت کا قیام چاہا تو صرف اس غرض سے نہیں کہ روئے زمین پر ایک اور ترکی یا ایک اور مصر یا ایران کا اضافہ ہو جائے، بلکہ صرف اس غرض سے کہ ایک خاص اسلامی ریاست قائم ہو۔ جو اسلامی نظام کا مکمل نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرے ۔

مودودی صاحب خدا لگتی کہیے۔ جس خدا و رسولؐ کے نام پر آپ نے اتنے بہتان تراشے انہیں کو حاضر و ناظر جان کر سینے پر ہاتھ رکھئے اور کہیے کہ آپ نے ہی کیا تھا جس کا دعویٰ آپ فرما رہے ہیں۔ کیا آپ ہی تھے وہ جنہوں نے مسلمانوں کے قومی تحفظ کی کوشش کی تھی۔ کیا آپ نے ایک آزاد مملکت کا قیام چاہا تھا۔ اگر چاہا تھا تو ایک جملہ ایک لفظ، ایک حرف، ایک نکتہ، اس کی تائید میں پیش کیجئے، ورنہ یہ نہ سمجھئے کہ لوگ آپ کے رعب سیاست اور امارت جماعت اسلامی سے مرعوب ہو کر سچی بات زبان پر نہیں لائیں گے، یا آپ کہیں گے تو وہ آپ کے باغیانہ حال اور عبرتناک ماضی کو فراموش کر دیں گے آپ اللہ اور اس کے قرآن حکیم کے نام پر سیاست کے میدان میں اترے ہیں تو ان کی لاج رکھئے اور وہی کہیے جس کی اجازت آپ کا ضمیر ، اور لوگوں کا حسن ارادت دیتا ہے ورنہ سب کی تضحیک کا مرکز بننے سے آپ ہی نہیں وہ مقدس نام بھی زد میں آتے ہیں جن کے پردے میں آپ نے پاکستان اور باغبان پاکستان کو کوسنے دیئے اور جن پر الزام تراشی کر کے آپ نے پوری قوم کو متنفر کرنا چاہا، تاکہ اسلام کا وہ تصور پیش کیا جا سکے جو آپ کے ذہن میں ہے پاکستان کی امارت و قیادت کسی کی جاگیر نہیں تو اس کی ہے جو علامہ اقبال کے الفاظ میں۔ ع

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز

رکھتا ہو، ورنہ بھارتی لیڈروں کی طرح بیان بدلتے رہنے سے وہی ہو گا جس کا حوالہ آپ نے قائدین پاکستان کے بارے میں دیا تھا، — خسر الدنیا والآخرہ۔ غرض آپ نے ۱۹۵۰ء میں پاکستان کو "اپنالیا" حالانکہ ۱۹۴۹ء میں آپ نے اس کے ارباب قیادت پر جو کیچڑ اچھالا تھا، اس کی سیاہی بھی ابھی تک خشک نہیں ہوئی، اور وہ لوگوں کی نگاہوں میں تازہ تھا۔

ملاحظہ فرمائیے۔

"تقسیم کے بعد ایک طوفانی سال ارباب قیادت کا تعارف خوب اچھی طرح کر کے رخصت ہوا۔ اب عوام سوچنے لگے کہ کیا ایسے ہیں ہمارے لیڈر انہی کے لئے ہم نے کئی سال زندہ باد کے نعرے لگائے، انہی کے لئے ہزار مرتبہ جلوس نکالے اور سپاس نامے پڑھے اور انہیں اپنی.... کمائیوں میں سے چندے جمع کر کے دیئے اور انہیں کو اقتدار دلوانے کیلئے اپنے ووٹ نذر کئے کیا یہ اس قابل تھے اب دونوں مملکتوں میں اکا ایک کے خلاف نفرت اور بدلی کے جذبات آہستہ آہستہ کروٹیں لینے لگے۔ کہیں کہیں زبانوں سے ان جذبات کا اظہار ہونے لگا اور آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعض مقبول ترین شخصیتوں کو اکثر ہی معمولی گنوار تک انتہائی بیزاری کا کھلے کھلے الفاظ میں اظہار کرتے نظر آتے ہیں"

(ترجمان القرآن جون ۱۹۴۹ء)

آخر اس تحریر کو بھی مودودی صاحب کی اپنی ذاتی اور باطنی کیفیت کا آئینہ دار سمجھا جائے تو بجا ہو گا کہ انہوں نے قیام پاکستان کے ایک سال بعد کا جو نقشہ کھینچا ہے اور اسمیں دونوں ملکوں کے ارباب قیادت سے بیزاری کے لئے "معمولی گنواروں تک سے" جو سند حاصل کی ہے وہ انہی ذہنیت کی پیداوار ہے۔ مودودی صاحب نے جماعت اسلامی کے قیام سے لے کر عوام زندہ سمجھا تھا، جن کی رائے اور اس کی صحت کے لئے وہ ۱۹۴۹ء میں قائل ہو گئے۔ اور نہ ان ارباب قیادت ہی کو تسلیم کیا تھا۔ وہ تو تھے ہی غلط اور پشت بہ منزل۔ اور راہ گم کردہ سوال یہ کیا جا سکتا ہے کہ اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ شاید تھی، کہ اب اپنی رائے کے بجائے معمولی گنوار کی بیزاری دوسروں کے نزدیک صحیح ہو سکتی تھی۔ اُن کی اپنی فراست اور سیاسی بصیرت

نے انہیں اور ان کے ہمنواؤں کو ہر گام پر دھوکہ دیا تھا۔ اب وہ اسی کا سہارا کہاں تک لیتے۔

مودودی صاحب نے جو تبصرہ پاکستان اور اس کی اصلاحی، قانونی، آئینی اور تہذیبی سرگرمیوں پر وقتاً فوقتاً فرمایا وہ سال بسال نئی نئی کروٹیں لیتا رہا لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ اپنے لئے قیادت اور حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے لئے بھی علی الاعلان نعرہ لگاتے رہے، جہاد فی سبیل اللہ کے صفحہ ۲ پر ارشاد ہوتا ہے۔

"لہٰذا اس پارٹی کے لئے حکومت کے اقتدار پر قبضہ کئے بغیر چارہ نہیں ہے کیونکہ مفسدانہ نظام تمدن ایک فاسد حکومت کے بل پر ہی قائم ہوتا ہے، اور آپ کا صالح نظام تمدن اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ حکومت مفسدین سے مسلوب ہو کر مصلحین کے ہاتھ نہ آجائے"۔

پھر وہی بات "کہ حکومت میرے سپرد کر دو ورنہ ـــ ہاں! اب تو قبضہ کرنے کا" ـــ اعلان بھی کر دیا گیا۔ خواہ عوام مانیں یا نہ مانیں خواہ بغاوت کرنی پڑے یا قتل و" ـــ غارت سے ملک کا بیڑا غرق کیا جائے۔ حکومت کے اقتدار پر قبضہ کئے بغیر چارہ نہیں ـ تو پھر اس بیچارگی کو دور کرکے جو نظام قائم کیا جائے گا تو اسلام کے نام پہ کیا ہوگا۔!

فرماتے ہیں۔

"جس علاقہ میں اسلامی انقلاب رونما ہو وہاں کی مسلمان آبادی کو نوٹس دیا جائے کہ "جو لوگ اسلام سے اعتقاداً اور عملاً منحرف ہو چکے ہیں، اور منحرف ہی رہنا چاہتے ہیں، وہ تاریخ اعلان سے ایک

سال کے اندر اندر اپنے غیر مسلم ہونے کا باقاعدہ اظہار کرکے ہمارے نظام اجتماعی سے باہر نکل جائیں" اس مدت کے بعد ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں، مسلمان سمجھا جائے گا۔ تمام قوانین اسلامی ان پر نافذ کئے جائیں گے، فرائض و واجبات دینی کے التزام پر انہیں مجبور کیا جائے گا۔ اور پھر جو کوئی دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد انتہائی کوشش کی جائے گی کہ جس قدر مسلمان زادوں اور مسلمان زادیوں کو کفر کی گود میں جانے سے بچایا جا سکتا ہے، بچا لیا جائے پھر جو کسی طرح نہ بچائے جا سکیں، انہیں دل پر پتھر رکھ کر ہمیشہ کیلئے اپنی سوسائٹی سے کاٹ کر پھینک دیا جائے۔ اور اس عمل تطہیر کے بعد اسلامی سوسائٹی کی نئی زندگی کا آغاز صرف ایسے مسلمانوں سے کیا جائے جو اسلام پر راضی ہوں"۔

(رسالہ مرتد کی سزا صفحہ ۷۵)

تو یہ ہے وہ اسلامی نظام، اور حکومت الٰہیہ جس کے قیام کے لئے مودودی صاحب بیتاب ہیں! (نعوذ باللہ) ـــ اگر وہ اس غلط فہمی میں امارت کی کرسی ڈھونڈ رہے ہیں کہ اس پر بیٹھ کر نام نہاد مسلمانوں کا سبتا بنائیں گے، تو خدا انہیں معاف فرمائیں ہم قرآن حکیم کو ترجمان القرآن کی روشنی میں نہیں نور حق اور عشق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہمیں تنگ نظر و تنگ ظرف ملا کا اسلام نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلام چاہیئے۔ مودودی صاحب! آپ اپنی عینک سے نہیں شاعر مشرق کی نظر سے قرآن حکیم کو دیکھئے۔ تاکہ اس کی حقیقت آپ پر واضح ہو جائے۔

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است ؞ این کتابے نیست چیزے دیگر است

زخمہ ما بے اثر افتد اگر ؛ آسماں دارد ہزاراں زخمہ ور

ذکرِ حق از امتاں آمد غنی ؛ از زمان و از مکاں آمد غنی

ذکرِ حق از ذکرِ ہر ذاکر جداست ؛ احتیاج روم و شام او کجاست

حق اگر از پیشِ ما بر داردش ؛ پیشِ قومے دیگرے بگذاردش

کاش آپ جانتے کہ اسلام اور قرآن حکیم کی نگہبان خود رب العزت کی ذات ہے۔ اور یہ آخری پیغام رحمۃ اللعالمین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ورثہ ہے جو ہر کس وناکس کو نہیں پہنچتا۔ وہ جو اس سے منکر ہیں مرض کفر میں مبتلا ہیں، وہ جو مانتے ہیں لیکن بے عمل ہیں، منافقت کے مریض ہیں، دونوں مریض ہیں اور مریض کا علاج گولی سے نہیں، محبت سے کیا جاتا ہے، آہ!

ناقہ ما خستہ و محمل گراں ؛ تلخ تر باید نوائے سارباں

امتحانِ پاک مرداں از بلاست ؛ تشنگاں را تشنہ تر کردن رواست

در گذر مثلِ کلیم از رودِ نیل ؛ سوئے آتش گام زن مثلِ خلیل

نغمۂ مردے کہ دارد بوئے دوست

ملتے را می برد تا کوئے دوست

کاش آپ ان معانی سے غافل نہ ہوتے ورنہ آپ کے قلم سے اس قدر ظالمانہ، سفاکانہ قاتلانہ، اور غیر اسلامی الفاظ نہ نکلتے، اس لغزش کا کفارہ ادا کیجئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر گڑگڑائیے، تاکہ وہ آپ کو اسوۂ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ حضورؐ تو دونوں جہانوں کے لئے رحمت بن کر قاتلوں اور ڈاکوؤں کو بخش دیں اور حضورؐ کے نام لیوا، اسلام اور قرآن کی آڑ میں فیصلہ دیں کہ "جو کوئی عملی طور پر دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔" غور فرمائیے کیا رب العزت نے کسی پرستار لات ومنات، کسی منکر ذات، کسی

نیچری، کسی کافر یا کسی منافق پر رزق کے دروازے بند کئے؟ اسے جینے کے حق سے محروم کیا۔ اسے محض اس لئے فنا کر دیا کہ وہ دائرہ اسلام سے باہر نکل گیا۔ یا پھر حضور رحمۃ اللعالمین شافع مذنبین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسے شخص کو موت کے گھاٹ اتارا ہو!۔ نہیں مودودی صاحب نہیں۔ یہ اسلام نہیں، اسلام کے نام پر الزام ہے جو کفار نے عائد کیا جو دوکر اہل کتاب نے لگایا اور آج آپ جس کی تائید فرما رہے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

برتر از گردوں مقامِ آدم است ؛ اصلِ تہذیب احترامِ آدم است

مودودی صاحب اور اُنکے ہمنوا

اسلام کا احیاء کون پاکستانی نہیں چاہتا؟ ہر شخص وہ دنیا کے کسی گوشہ میں رہتا ہو بظاہر زبان ہی سے سہی اللہ اس کی کتاب اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہے یہ ضرور چاہتا ہے کہ توحید کا پرچم بلند ہو، مسلمانانِ عالم ایک مرکز پر جمع ہوں، وہ سیاسی اور سماجی طور پر سربلند ہوں۔ ان کا اخلاق اور دینی موقف وہی ہو، جو قرآن و سنت نے ان کے لئے پیش کیا ہے یہی تصورات مودودی صاحب نے اس ملک کے مسلمانوں کے سامنے رکھے۔ ان کے زورِ بیان اور اعتقادات کی شدومد سے وکالت نے، اُن لوگوں کو اپنی طرف کھینچا جو کوئی واضح سیاسی مسلک تو نہ رکھتے تھے لیکن اسلامی تصوریجات سے جنہیں والہانہ شغف تھا۔ یہ لوگ اللہ کے نام پر بڑی سے بڑی قربانی دینے کو اپنے لئے دنیا و عقبےٰ کی سعادت اور سرخروئی کا باعث سمجھتے تھے، چنانچہ انہوں نے مودودی صاحب کی طرف کھنچنا شروع کیا اور یوں قیامِ پاکستان سے پہلے مودودی صاحب کے ہمنوا وہ گنتی کے لوگ تھے جنکی نگاہوں میں اسلامی عقائد و ملی تصورات تو بہت نمایاں تھے اور ان کی نشر و اشاعت چاہتے تھے، لیکن جن کے سامنے کوئی سیاسی منزل نہ تھی۔ ان کے ساتھ کچھ ایسے لوگ تھے جو محض جذباتی ہمدردی کی بنا پر ان کے ہم خیال تھے۔ انہیں قائدِ اعظم اور مسلم لیگ پر قیامِ پاکستان کے سلسلے میں پورا پورا اعتماد تھا، ان کے نزدیک ان ملاؤں کی حیثیت یہی تھی کہ یہ ساحلِ پاکستان تک قوم و ملت کی کشتی کو لے چلنے والے نہیں جن میں سے چند مقتدر لوگ بین الاقوامی سیاست کے خطوط متعین کرنے کے لئے مفید طلب ہوں گے۔ لیکن داخلی طور پر آئین و قانون کے سلسلے میں مودودی صاحب

کی قسم کے علماء دین کی ضرورت ہوگی جو سیاسی ضروریات پر بھی نظر رکھتے ہیں اور دینی معاملات پر بھی سنجیدگی سے غور کرتے ہیں۔

ان کے علاوہ ایک طبقہ اور بھی تھا، جو قیامِ پاکستان کے سلسلے میں تو بڑی دلچسپی لے رہا تھا لیکن باقی امور کے سلسلے میں محض تماشائی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے مذہبی عقائد و رجحانات نے اسے ترجمان القرآن کے مطالعہ پر اکسایا۔ اور یہ دیکھ کر کہ بالآخر ایک عالمِ دین ایسا بھی ہے جس کے سیاسی اندازِ نظر سے تو انہیں اتفاق نہ تھا لیکن جس کی دینی بصیرت پر کسی حد تک اعتماد کیا جا سکتا تھا۔

غرض قیامِ پاکستان تک مودودی صاحب کی ہمنوائی معمولی حد تک شعوری اور بیشتر حد تک نیم شعوری رہی۔ قیامِ پاکستان کے ساتھ جو انتشار، قتل و غارت، پریشانی اور مظلومیت، ابھری، اس کا فائدہ دو گروہوں نے اٹھایا۔ ایک مودودی صاحب نے جو اپنی ذات میں جماعتِ اسلامی بن کر پاکستان میں تشریف لائے تھے اور دوسرے کمیونسٹوں نے مودودی صاحب کے لئے میدان زیادہ ہموار تھا کہ پاکستان کا مطالبہ کرنے والے بھی اسلامی جذبات کے حامل تھے اور سادہ لوح اور مفلوک الحال لوگ بھی جو فرقہ وارانہ فسادات سے زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ ذاتی غم و رنج نے قومی نقطہ نظر کو ضعف پہنچایا۔ لیکن ان کے اسلامی جذبات سرد نہ ہونے پائے، اور یہ سوچ کر کہ مودودی صاحب جو کچھ کہہ رہے تھے۔ وہی سچ ثابت ہوا۔ ان کے ساتھ ہو لئے۔

کمیونسٹ اپنے عقائد کے طور پر انتشار کو انقلاب کا پیش خیمہ سمجھتے ہیں، چنانچہ اس موقف کے پیشِ نظر جہاں کہیں ہو وہاں مصنوعی ہیجان بپا کر کے مطلب برآری کیا کرتے ہیں۔ اور پاکستان میں تو انہیں یہ افراتفری، یہ ہیجان، یہ اضطراب آندھی کے آموں کی طرح ملا۔ انہوں نے عقلیت پسند نیم مذہبی لوگوں کو مذہب

کے خلاف بہکایا، اور جدید تعلیم یافتہ نوجوان جو مذہب سے یوں بھی بیگانہ ہوتے
ہیں، اس قتل و غارت گری کیلئے جو پاکستان کو بہانہ بنا کر ابھری، مذہب کے خلاف
ہو گئے۔ اس کے علاوہ کمیونسٹ طبقہ اُن اہل قلم کا سہارا لئے ہوئے تھا جو تعلیمیافتہ
نوجوانوں کے شعور کو اپنا کر جدید اور ترقی یافتہ رجحانات کی نمائندگی کے اہل
تھے۔ چنانچہ کالجوں، ہوٹلوں، چائے خانوں، کافی ہاؤسوں میں صحافی، نیم ادیب،
سیاسی نوعیت کے شعراء، جدید شاعر، اشتراکی رجحانات کے حامل مذہب و ملا و قدامت
کے مخالف افراد نے ایک اور انقلاب کی داغ بیل ڈالنے کی کوشش کی جس کا
سرچشمہ روس کی اشتراکیت تھا۔ لیکن ملک اس کے لئے تیار نہ تھا۔ لوگوں
کو اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی۔ وہ جن کی جانیں بچ گئی تھیں سر چھپانے کیلئے پریشان
تھے۔ وہ جنہوں نے سر چھپانے کے لئے جگہ حاصل کی تھی ملازمتوں کے لئے دوڑ رہے
تھے۔ ورنہ کاروباری لوگ دوکانوں اور مکانوں کے الاٹمنٹ اور کاشتکار زمینوں
کے حصول کے لئے دفتروں کے چکر کاٹ رہے تھے۔ اس ماحول میں یہ تحریک جڑ
نہ پکڑ سکی۔ اور جب ۱۹۵۱ء میں کچھ صحافی، کچھ فوجی جرنیل اور کچھ دوسرے لوگ
سازش کے جرم میں پکڑے گئے تو دوسروں نے جو ان سے متاثر تھے کان پکڑ لئے
اور اس طرح بات نہ بن سکی۔

ان کے برعکس مودودی صاحب کی تحریک لوگوں کے جذبات کو مجروح
کئے بغیر اللہ اور کلام پاک کا سہارا لے کر چلتی تھی۔ اور لوگ بھی کون —
جنہیں گزشتہ سو برس میں حکمران سے نفرت کے ٹیکے لگا لگا کر جگایا گیا تھا —
جنہیں گزشتہ سات برس میں حکومت سے ٹکرانے اور بالآخر کامیاب ہونے کا
نسخہ ہاتھ آیا تھا۔ اب حکومت اپنی تھی لیکن ذہنیت وہی حکمران کے نام سے
بدکنے والی۔ انگریز حاکم اعلیٰ بنگلوں میں، اعلیٰ کاروں میں، اعلیٰ دفتروں میں

بیٹھ کر عوام کا ہدف تھا، تو ان کے جانشین بھی اس روش پر چل رہے تھے۔ وہ بھی آخر
حکمران تھے۔ شاید مودودی صاحب ان سے بہتر حکمران دے کر انہیں
عوام سے قریب تر کر دیں۔ شاید ان تک رسائی اور مطلب برآری زیادہ
آسان تر، شاید ان کے اصول اتنے عوامی ہوں کہ عوام کی مشکلات کا بہتر طور پر احساس
کر سکیں۔ چنانچہ ان مفروضات نے مودودی صاحب کی تحریک کو تقویت دی
اور مودودی صاحب نے اپنے ہاتھ مضبوط ہوتے دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئے اور
اب ان کے حملوں کی رفتار سخت تر ہوتی گئی۔ حکومت پاکستان آئینی اور امکانی
طور پر اپنے کئے ہوئے وعدوں کا ایفا کرتی رہی لیکن اسکے باوجود مخالفت بھی اتنی ہی
کڑی اور شدید ہوتی گئی۔ اور وہ اذہان جن کے تصورات میں پاکستان کچھ اور تھا
سیاسی اعتبار سے، اقتصادی اعتبار سے، غرض کسی طور پر بھی اس پاکستان کی
صورت میں انہیں کوئی نقص نظر آیا۔ تو انہوں نے حکومت پر نکتہ چینی شروع کی۔
اور مقابلے پر ایک ہی دینی جماعت کو برسر کار پاکر اس کے ساتھ ہو گئے۔ مودودی
صاحب اسکے امیر جماعت تھے اور اب بھی ان کی حیثیت کو کسی نے چیلنج نہ کیا۔ پہلے
بھی ان کی ذات مرکز تھی خواہ اس مرکز کے گرد کوئی نمایاں دائرہ نہ تھا۔ اور اس مرکز
کی حیثیت ایک غیر معروف نکتے کی سی تھی۔ اب بھی وہی تھے، حالانکہ اب انکی جماعت
ایک حلقہ، ایک دائرہ بن گئی۔ اس جماعت نے کچھ گشتی شفاخانے، کچھ ریڈنگ
روم، کچھ دفتر قائم کر کے اپنی مقبولیت میں اضافہ کرنا شروع کر دیا۔ جب یوں
"ترجمان القرآن" کی اشاعت بھی بڑھ گئی، اور اس میں عوام کی سادہ لوحی سے
فائدہ اٹھانے کیلئے طرح طرح کے چٹکلوں، حیلوں، اور دلیلوں سے کام بھی لیا
جانے لگا۔ قائدین پاکستان پر ۱۹۴۹ء میں مودودی صاحب کے ہمنواؤں نے جس
خطرناک طریقہ پر تیر اندازی کی اس کے نمونے ملاحظہ ہوں۔

لیکن پاکستان کی سربراہ کاری کے لیے جو ٹیم تقدیر الٰہی کی طرف سے نامزد ہوئی ہے۔ اس کے افراد پر زمانہ اتنا مہربان رہا ہے کہ وہ ایک جیتے کی قربانی دیئے بغیر، ایک دن جیل میں گذارے بغیر اپنی عادات میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کئے بغیر سیدھے صوفوں سے اٹھ کر قالینوں پر قدم رکھتے ہوئے اقتدار کی مسندوں پر براجمان ہو گئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو محض اپنی جاگیرداریوں، اپنی سلامتوں، اپنے کاروباروں، اور اپنی دکالتوں کے زور سے لیڈر بنے ہیں۔ اور ان کو علم، اخلاق اور سیاسی خدمات میں امتیازی مقام حاصل کرنے کی ضرورت کبھی نہیں پیش آئی۔

(صفحہ ۳۷۔ عنوان:۔ اشارات انعیم صدیقی
ترجمان القرآن جولائی ۱۹۴۹ء)

دیکھا آپ نے یہ تحریر مودودی صاحب کے ذہن و فکر اور طرز تحریر سے کس قدر مماثل اور کتنی ہم آہنگ ہے "سربراہ کاری ٹیم"۔ "تقدیر الٰہی سے نامزد" ہو تو کون ہے اس کی مخالفت کر سکتا ہے۔ کیا اس سے ٹکر لینا تقدیر الٰہی سے ٹکر لینے کے مترادف نہیں ہے۔ لیکن یہ تو طنز کے نشتر تھے جن کا مقصد حکومت پر حملہ کرنے کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ لیکن یہ کس قدر بیہودہ، کس قدر لغو اور عامیانہ تھا۔ اس سے ان اہلِ قلم حضرات کو کوئی بحث نہ تھی۔ وہ لوگ جنہوں نے پاکستان حاصل کیا امیر تھے، جاگیردار تھے۔ تھے تو وہی جنہوں نے پاکستان حاصل کیا تھا تو پھر یہ اعتراض کیا معنی رکھتا ہے کہ انہوں نے جیلوں کا رخ نہیں کیا۔ ایک جیتے کی قربانی نہیں دی "بہی نہیں" ان پر یہ اعتراض بھی تھا کہ یہ لوگ مسند

حکومت پر براجمان ہونے والے اپنی غلط سرگرمیوں میں اسلام کے ساتھ گھیٹتے پھر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

پھر یہ عین وہی لوگ ہیں جو اپنی پوری سیاسی تحریک میں اپنے غلط سرگرمیوں میں اسلام کو ساتھ ساتھ گھیٹتے پھرے ہیں۔ انہوں نے قرآن کی آیتوں اور حدیث کی روایتوں کو اپنی قوم پرستانہ کشمکش کے ہر مرحلے میں استعمال کیا ہے انہوں نے پاکستان کے معنی ہمیشہ لا الہ الا اللہ بیان کئے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ان کی نیت اسلام ہے۔ ان کی خدا پرستی ہے۔ ان کی حبّ رسالت ہے۔ ان کی قرآن دوستی ہے اور ان کی ولاللہ خوانی ہے جو عملی مناظر پاکستان کی تیس ماہ کی تاریخ کے عجائب خانے میں آراستہ ملتے ہیں ان کو دیکھ کر حساس مسلمان کی گردن شرم سے جھکی جاتی ہے

(صفحہ ۷۶۔ عنوان:۔ اشارات انعیم صدیقی
ترجمان القرآن جولائی ۱۹۴۹ء)

کون سی غلط سرگرمیاں ہیں؟ — وہ جو حصول پاکستان کے لئے کی گئیں؟ — اگر اس کا مطلب اس کے علاوہ کچھ ہو سکتا ہے تو ہمیں بتایا جائے۔ ورنہ ہم پوچھتے ہیں کیا یہ جملہ پاکستان کے وجود ہی پر اعتراض کا حکم نہیں رکھتا؟ کیا اس کا مفہوم یہ نہیں کہ مسلم لیگ کے ان لیڈروں نے جو اب پاکستان کے حکمران تھے قوم کو اسلام کے نام پر ایک مرکز پر جمع کیا۔ اور انہیں پاکستان لے کر دیا۔ یہی تو تھیں۔ ان کی سرگرمیاں انہی "سرگرمیوں" میں انہوں نے اسلام کو ساتھ گھسیٹ لیا تھا" یہ اعتراض کس قدر شرمناک ہے، ان لوگوں کے لئے جو پاکستان کے باشندے بلکہ جو پاکستان کی رعیت ہوتے ہوئے بھی ....

پاکستان کے شہری کی حیثیت سے یہ آزادی حاصل کرکے خود پاکستان ہی کے وجود پر اعتراض کریں۔ کس لئے؟ کہ وہ اپنے لئے اس پاکستان میں اقتدار چاہتے ہیں یہ آزادی جو پاکستان میں اسلام کے نام پر جماعت اسلامی کے ان دعوے داروں کو مل گئی تھیں، جو اپنی غلط سرگرمیوں میں اسلام کو ساتھ گھسیٹ رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی آڑ لے کر اپنے اقتدار کی مسندوں پر براجمان ہونے کے لئے اس سے بدتر کھیل آج تک اس ملک میں کسی نے نہیں کھیلا۔ جہاں بارہ برس اقتدار کی جنگ نے ملک اور قوم دونوں کو ذلیل کیا ہے۔ جہاں کی سیاسی قلابازیاں فرانس کے بعد دنیا کے تمام جمہوری ملکوں پر سبقت لے گئیں اس لئے کہ دنیا کے کسی ملک میں کسی سیاسی جماعت نے مقتدر قوتوں سے ٹکر لیتے ہوئے اپنے ملک ہی کے وجود پر لعن طعن اور تخریب و تحریف کے حربے استعمال کرنے کی سعادت" حاصل نہیں کی۔ یہ کام کمیونسٹ بھی کرتے ہیں۔ لیکن قدرے حسن کے ساتھ۔ انہوں نے بھی یہاں کچھ اچھالا لیکن قیام پاکستان کو مسلم لیگ کی غلط سرگرمی نہیں ٹھہرایا۔ انہوں نے پاکستان کو تسلیم کیا۔ اور اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی سعی کی۔ جماعت اسلامی کے اراکین سے تو یہ بھی نہیں ہو سکا۔ اُن کا دعویٰ تھا کہ ہم پاکستان کو بیت اللہ سے متصل کریں۔ اور اس کی دلیل کے طور پر انہوں نے جو کچھ قائدین پاکستان کے متعلق کہا اس سے خود پاکستان کو مستثنیٰ نہ کیا۔ یہ بات کوئی محب وطن گوارا نہیں کر سکتا۔ خواہ کوئی عالم دین بام حرم پر چڑھ کر اس "سرگرمی" کو "افضل الجہاد" ہی کیوں نہ قرار دے۔ ملاحظہ فرمایئے کہ یہ حضرت کیا فرما رہے ہیں۔

ان حالات میں اصلاح کی آواز بلند کرنا ٹھیک اس "افضل الجہاد" کی حیثیت رکھتا ہے جس کی سعادت "نبی صلعم کے قول مبارک کے

مطابق صرف ان لوگوں کے لئے خاص ہے جو "سلطان جابر" کے سامنے نتائج سے بے پروا ہو کر کلمۂ حق کہہ سکتے ہوں۔ جماعت اسلامی نے اس "افضل الجہاد" میں سبقت کرکے خیر خواہیٔ ملت کا پورا پورا حق ادا کیا ہے۔ اور انشاء اللہ آئندہ بھی وہ اپنے اس شرعی فریضہ کی ادائگی سے غافل نہیں ہو سکتی۔"

(صفحہ ۷۷۔ عنوان۔ اشارات از نعیم صدیقی
ترجمان القرآن جولائی ۱۹۴۹ء)

کیا اس بیان میں محض مطلب براری کے لئے اسلام اور شریعت کو بھی نہیں گھسیٹا گیا۔ اپنے موقف کا اظہار، اور اہل اقتدار سے جنگ کرنے کے سلسلے میں جماعت اسلامی کے اس داعی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث پاک کو اپنے مطلب اور مقصد کے لئے ناجائز طور پر استعمال نہیں کیا۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ جس وقت ایوان حکومت پر یہ بارود برسایا جا رہا تھا۔ اس وقت ملک اور قوم کی حالت کیا تھی کیا اس نازک موقعہ پر جو کچھ جماعت اسلامی کر رہی تھی۔ اس کو کلمۂ حق کہنا۔ اسی کا نام "افضل الجہاد" ہے بیقیناً، تاریخ پاکستان میں جماعت اسلامی کی یہ کارگذاریاں بدترین بغاوت کے نام سے موسوم کی جائیں گی۔

افضل الجہاد، کا نعرہ لگا کر یہ حضرات کیا کرنا چاہتے تھے۔ اس کی تفصیل کے لئے ہمیں دور نہیں جانا پڑتا۔ ترجمان القرآن کے اس شمارے میں جولائی ۱۹۴۹ء کے زمانے میں قیام پاکستان سے دو سال بعد، جہاد کشمیر کو ناجائز ٹھہرانے والے حکومت پاکستان کا تختہ الٹانے کے لئے علی الاعلان جو کچھ کہہ اور کر رہے تھے وہ شاید کسی قوم اور ملک کی انقلابی جماعتوں کے لئے خفیہ طور پر بھی ممکن نہیں۔ وہ جو پاکستان کو غلط کہتے تھے حصول پاکستان کے لئے سرگرمیوں کو غلط سرگرمی قرار دیتے تھے، قائدین پاکستان کو غلط ٹھہراتے تھے، حکومت پاکستان کو سیاست و تمدن کے منافی سمجھتے ہی نہیں کھلم کھلا کہتے تھے۔ اور اس

قیادت کو تبدیل کرنے کے لئے وقت کا انتظار کرنا بھی انہیں گوارا نہ تھا۔ ملاحظہ ہو۔

> لیکن اگر موجودہ ہاتھوں میں اس طرح کی فوری تبدیلی نمودار نہ ہو اور یقیناً اب تک ایسے کوئی آثار و علائم دیکھنے میں نہیں آ رہے بلکہ معاملہ بالکل برعکس ہے تو پھر تمام کار ان ہاتھوں میں جتنے زیادہ دیر تک رہے گی سیاست و تمدن کی گاڑی غلط راستے پر اتنی ہی زیادہ دور جا نکلے گی اور اقتدار جتنا زیادہ غلط مقاصد کے لئے کام کرے گا اصلاح کی کوششوں کی کامیابی اتنی ہی بعید ہوتی جائے گی۔ یا تو ہماری قیادت میں تبدیلی اس طرح رونما ہوتی چاہئے تھی جس کی مثال حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تاریخ اسلام کے ورثے میں چھوڑی ہے ورنہ اصلاح کے انتظار میں ایک غیر معین عرصہ بہرحال نہیں گذارا جا سکتا۔ ...
>
> (صفحہ ۸۲۔ عنوان :۔ اشارات از نعیم صدیقی
>
> ترجمان القرآن جولائی ۱۹۴۹ء)

دیکھا آپ نے قیادت کو "غلط ہاتھوں" سے نکال کر "صحیح ہاتھوں" میں منتقل کرنے کی بے تابی کیسی کیسی صورتیں اختیار کر رہی ہے جو الفاظ کے چہروں سے جھانک رہی ہے ہوس اقتدار کہہ رہی ہے ہمیں امارت و صدارت کی کرسیوں پہ بٹھاؤ۔ اس کے اہل ہم ہیں ہم اللہ کا اس کے رسولؐ اور قرآن کا نام لے کر تمہیں اصلاحی بنائیں تمہاری اصلاح کرنا چاہتے ہیں اور اگر تم نے اس اصلاح کو قبول نہ کیا تو ہم تمہیں گولی ماریں گے جولائی ۱۹۴۹ء میں جن غلط ہاتھوں سے زمام اختیار چھیننے کا اعلان کیا جا رہا تھا اگست میں انہیں ایک اور طعنہ دیا گیا تھا کہ انہوں نے مارچ ۱۹۴۹ء کی قرارداد مقاصد سے اپنی روش نہیں بدلی۔ کمال یہ ہے کہ ان غلط ہاتھوں سے پاکستان

سے پاکستان بھی قائم ہوا۔ انہوں نے قرارداد مقاصد بھی پاس کی جس کا مطلب خدا کی نیابت اور حدود اللہ کی پابندی" ہے۔ یعنی وہی فیصلہ جس کا وعدہ جماعت اسلامی نے کیا تھا جس کو مقصد بنا کر جماعت اسلامی وجود میں آئی تھی۔ حکومت الٰہی قائم کرنے کا جو فریضہ جماعت اسلامی نے اپنے کندھوں پر ڈالا تھا، لیکن جس کی بنا کے لئے کوئی جغرافیائی حدود متعین نہیں کی گئی تھی۔ اسی حکومت الٰہی کو مسلم لیگ کے قائدین نے مملکت خداداد پاکستان کے حصول کے بعد قائم کرنے کا اعلان کیا اور وہ بھی زبانی نہیں دستور ساز اسمبلی میں۔ اس پہ بھی مودودی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کو اپنے ردعمل میں تبدیلی کرنے کی ضرورت لاحق نہ ہوئی، اور وہ حسب سابق اپنی حکومت کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے رہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس جماعت اور اس کے امیر کے دل میں اللہ اور اس کے دین سے سچی محبت تھی، اور وہ اس ملک میں اسلامی آئین نافذ کرنے کے لئے جانوں پر کھیلنے کے لئے تیار تھے، تو اب انہیں کیوں نہ محسوس ہوا کہ اسی جماعت کا ساتھ دیں جس نے اپنی منزل وہی ٹھہرائی ہے جو ان کی تھی۔ اب انہیں مسلم لیگی عمائدین کی ہمسفری سے کیوں عار تھی اس کا جواب ملاحظہ ہو۔

> لیکن عام وعدوں کے علاوہ خدا کی نیابت اور حدود اللہ کی پابندی کے قطعی دستوری اعلان کے بعد بھی ہمارے متولیوں کی روش میں کوئی حقیقی تغیر نہیں آیا جس سے یہ امید باندھی جا سکے کہ آزادی کے اسلامی تصور کے نقطۂ نظر سے یہ حضرات آئندہ مراحل میں کسی کام آ سکتے ہیں۔ اب کوئی چارہ کار اس کے سوا باقی نہیں ہے کہ ہم اپنے متولیوں کو بدل دیں۔ (صفحہ ۸۳ عنوان :۔ اشارات از نعیم صدیقی ترجمان القرآن اگست ۱۹۴۹ء)

سوال یہ نہیں کہ قرارداد مقاصد کے بعد "ہمارے متولیوں" کی روش میں کوئی تبدیلی ہوتی یا نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی کی روش کو کیا ہوا۔ آخر یہ "متولی" ہمارے کسی کام کیوں آتے۔ ملک کی اپنی حکومت وہ بھی جمہوری بنیادوں پر استوار ہوتی۔ اور پھر یہ حکومت اُن قائدین کی قائم کردہ تھی جن پر اعتماد کر کے کروڑوں کروڑ مسلمانوں نے پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا۔ اور اسے حاصل کیا۔ اس حکومت کو "متولی" کہنے والے پاکستان کے ازلی دشمن تھے۔ ہندو سے جان بچا کر پاکستان پہنچے اور مطالبہ کرنے لگے کہ متولیوں! تم ہمارے کس کام آؤ گے اس کی امید ہمیں تم سے نہیں اس لئے کہ ہمارا تصور اسلامی آزادی نہیں ہو سکتا۔ اس منطق سے کوئی صحیح الرائے انسان جو نتیجہ اخذ کر سکتا ہے ظاہر ہے اسکے ساتھ ہی۔ ایک بات قطعی طور پر یقینی ہے کہ اسے مودودی صاحب کے ایسے بالغ نظروں کی عقل و دانش پر رونا ضرور آئے گا — اللہ اکبر! اسلام کے نام پر کیا کچھ کیا جا رہا تھا؟ کس طرح کیا جا رہا تھا؟ — کون کر رہا تھا؟ —

کہتے ہیں کہ یرقان کے مریض کو ہر رنگ پیلا ہی نظر آتا ہے — ہم نے احتراماً ساون کے اندھے کی مثال نہیں دی کہ ہمارے جماعت اسلامی کے دوست بُرا مان جائیں گے لیکن نعیم صدیقی صاحب جو مودودی صاحب کے دیدہ و دل تھے، اور شاندار بھی ہیں۔ اگست ۱۹۴۹ء میں لیگی لیڈروں کو دستوری اعلان پر داد دینے اور اپنی روش میں تغیر نہ کرنے سے تائب ہونے کی بجائے اچانک اُن میں پھوٹ اور ان کی تنظیم میں وہ دراڑیں دیکھنے لگ جاتے ہیں "جن سے تاریخ کا وہ لمحہ درپیش آیا جسے تبدیلی کا لمحہ کہتے ہیں۔" یہ مضحکہ خیز بصیرت مودودی صاحب کے تمام فیصلوں کی طرح غلط ثابت ہوئی۔ آپ بھی اس کا مطالعہ تو کریں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اس وقت تاریخ کا وہ لمحہ ہمیں درپیش ہے جسے تبدیلی کا لمحہ کہتے ہیں۔ لوگ جس سیاسی نظم میں منسلک تھے وہ اپنا نصب العین پورا کر چکنے کے بعد طبعی طور پر انحطاط سے دوچار تھے۔ اور تاریخ کے قوانین کے تحت خود اس کے اندر سے شکست و ریخت کے وجوہ و اسباب ابھر آئے ہیں۔ ایسے لمحے میں ملک کو ایک نئے مرکز تنظیم کی ضرورت ہے۔ پس اس وقت جماعت کے میدان میں آجانے سے یہ فائدہ بہر حال ہو گیا کہ عوام کو انتشار سے بچ کر ایک جگہ سمٹنے کے لئے نئے مرکز سے تعارف ہو جائے گا۔

(صفحہ ۲۱۵ عنوان :- اشارات از نعیم صدیقی

ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۴۹ء)

وہ تبدیلی کا لمحہ جسے نعیم صدیقی صاحب نے مودودی صاحب کی عینک سے دیکھا تھا نہ آیا لیکن اس احساس نے جماعت اسلامی کی قلعی کھول دی۔ ہر کس و ناکس پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ یہ لوگ "عوام کو انتشار سے بچانے کیلئے" ایک نیا مرکز تنظیم دینا چاہتے ہیں" — فاعتبروا یا اولی الابصار! مسلم لیگ کا تختہ الٹ کر ایک کٹی پٹی قوم پر جماعت اسلامی مسلط کرنے سے عوام انتشار سے بچ جائیں گے کیونکہ اس کے لئے ایک "نیا مرکز تعارف" مل جائے گا۔ سبحان اللہ!

اسی شمارے میں ایک اور بزرگ مولانا عبد الغفار حسن بھی اسی سانس پر نغمہ سرا ہیں۔ انہیں قرارداد مقاصد کی برکتیں دکھائی نہ دیں تو انہوں نے "اس دہ" کا بھٹہ بٹھانے کا تہیہ فرمایا جس کی اکثریت غیر صالح اور دین سے ناآشنا تھی" اور "جسے بدلے بغیر نظام حق قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

اور ان کے ارشادات ملاحظہ ہوں :-

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ حکومت پاکستان کو قرارداد مقاصد کے ذریعہ صالح نظام کے قیام کا اعلان کئے ہوئے چھ ماہ گذر چکے ہیں لیکن ابھی تک یہاں کے باشندے اسکی ابتدائی برکتوں اور راحتوں سے بھی ہمکنار نہیں ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ جب قیادت کی مسند پر ایسے گروہ کا قبضہ ہو کہ جس کی اکثریت غیر صالح اور دین سے ناآشنا ہو تو اسے بدلے بغیر نظام حق قائم نہیں ہو سکتا۔

(صفحہ ۲۱۷ عنوان:۔ قیادت اسلامی معیار از
مولانا عبدالغفار حسن۔ ترجمان القرآن
ستمبر ۱۹۴۹ء)

غرض حکومت بیچاری کا جسم کس نکالنے کا فیصلہ ہر جگہ ملتا ہے۔ جس کو کوئی "قیادت" کا نام لیتا ہے اور مقصود حکومت ہوتا ہے جس کا کھمبا نوچنے کی علی الاعلان تحریک کی جا رہی تھی۔ لیکن اپریل سنہ ۱۹۵۰ء میں اس انداز فکر میں ترمیم ہوئی۔ اور مودودی صاحب کو پتہ چلا کہ جس حکومت کا تختہ الٹنے کو وہ بچوں کا کھیل سمجھتے تھے وہ ٹیڑھی کھیر ہے۔ (نعیم صدیقی صاحب جن مرکز تعارف کے بل بوتے پر سارا کام کمالات چلا رہے تھے وہ کچھ زیادہ قرین واقعہ نہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ حالات میں سکون پیدا ہوتا گیا۔ لوگوں کو دوبارہ آباد ہو کر سوچنے سمجھنے کی مہلت ہاتھ آتی گئی —— اور انہیں معلوم ہوتا گیا کہ ان علمائے کرام کا مقصد پاکستان میں دودھ کی نہریں بہانا تو کیا ہوگا خون کی نہریں بہانا ضرور ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک کی بیدار مغز صحافت نے ان کے خانہ ساز اسلام کی حقیقت بھی طشت از بام کر دی۔ مغربی پاکستان میں مولانا مرتضٰی احمد میکش

مرحوم نے اس عالمانہ انداز فکر و نظر سے مودودی کے دعوؤں کی تردید کی کہ خود ان کے مخصوص ہمراہیوں کو بھی اپنے رائے میں ترمیم کرنی پڑی۔ ادھر نوائے وقت میں حمید نظامی مرحوم جیسے نباض اور بیدار مغز صحافی حکومت سے بار بار مطالبہ کر رہے تھے کہ اسلام کا نقاب اوڑھ ہوئے فساد دلے کو وہی سزا دی جائے جو باغیوں کو دی جاتی ہے۔

اب یہ طے پایا کہ جماعت اسلامی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے وہ نہیں رہے گی جس کا فیصلہ سال بھر پہلے کیا گیا تھا، بلکہ انقلاب قیادت کے لئے جمہوری اصولوں سے کام لے گی۔ ملاحظہ فرمائیے۔

حالات ایسی جگہ آ پہنچے ہیں کہ ہمارے سامنے اسلام یا موجودہ قیادت کا دو ٹوک سوال پیدا ہو گیا ہے۔ اب ہم پاکستان کی فلاح اور بہبود اور اسلام کی بقا کے لئے اس بات پر مجبور ہیں کہ انتخابات منعقد کرانے کے لئے زور دیں اور انتخابات کے ذریعہ انقلاب قیادت بپا کر دکھائیں۔

(صفحہ ۲۳۰ عنوان۔ اشارات از ادارہ
ترجمان القرآن اپریل ۱۹۵۰ء)

اپریل سنہ ۱۹۵۰ء کے اس فیصلے سے امید کی جا سکتی تھی کہ اب مسند حکومت پر جلوہ افروز ہونے کا جبروت مودودی صاحب کو دیوانگی پر نہیں اکسائے گا اور وہ وقت کا انتظار کریں گے — لیکن یہ فیصلے با اصول اور صاحب کردار جماعتوں اور افراد کے ہوتے ہیں۔ ابھی اس اعلان کی سیاہی خشک نہیں ہوئی تھی کہ جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے قرار داد "پاس" کر کے الٹی زقند لگائی۔ اور "طے پایا" کہ "صرف انقلابی طریقے" ہی ممکن العمل ہیں۔ سبحان اللہ!

قرارداد نمبر ا۔

جماعت اسلامی پاکستان کی مجلس شوریٰ ملک کے حالات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد ایک مرتبہ پھر اپنے اس فیصلے کی توثیق کرتی ہے کہ اس ملک کی موجودہ قیادت اپنی ناکامی اور نا اہلی پوری طرح ثابت کر چکی ہے اور یہاں کسی خیر کی توقع اس وقت تک نہیں کی جا سکتی جب تک کہ یہ قیادت ایک صالح اور اہل تر قیادت سے نہ بدل جائے۔

اس طرح ایسے حالات پیدا کئے جا رہے ہیں جن میں پر امن جمہوری اور آئینی طریقوں سے حکومت کو تبدیل کرنا قطعی ناممکن ہو جائے گا اور تغیر کے لئے صرف انقلابی طریقے ہی ممکن العمل رہ جائیں گے جن کا استعمال مشکل ہی سے کسی ملک کیلئے سبب خیر ہو سکتا ہے۔

(صفحہ ۲،۲۰۲ عنوان:- مجلس شوریٰ کی قراردادیں اور فیصلے۔ ترجمان القرآن جولائی۔ اگست۔ ستمبر ۱۹۵۰ء)

یہ ہے مختصر سی روئداد اُن اعلانات کی جو ایک برس کے عرصہ میں مودودی صاحب کے ہمنواؤں نے کئے۔ اور جن کا مقصد و مفہوم سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ "یہ گروہ" پاکستان میں گھر پھونک تماشہ دیکھنا چاہتا ہے۔ اور اس کو حصول اقتدار کے لئے انقلابی طریقے ہی ممکن العمل نظر آتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت بھی ملک میں اس جماعت کے ساتھ گنتی کے عوام تھے۔ اور آج بھی صورت حال کچھ اس سے مختلف نہیں۔ اب اس بات کا فیصلہ آپ پر ہے کہ ان لوگوں کا مطمع نظر کیا تھا اب ان کا وجود قوم اور ملک ہی نہیں خود اسلام کے لئے کس قدر خیر و برکت

کا موجب ہو سکتا ہے۔

یہاں ہم جناب محمد محترم انصاری صاحب کراچی کے ایک طویل مراسلے سے چند اقتباسات پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو روزنامہ جنگ کراچی ۲۴ / نومبر ۱۹۴۹ء کو "بعنوان" میں مولانا مودودی کو جانتا ہوں" شائع ہوا ہے تاکہ مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے متعلق اس وقت کی رائے عامہ بھی معلوم ہو جائے۔ چنانچہ مراسلہ نگار لکھتے ہیں "میں مودودی صاحب کو ۲۵ سال سے جانتا ہوں اور ان کے حالات سے بہت اچھی طرح واقف ہوں" جماعت بنانے سے پہلے مودودی صاحب اس بات کے سخت مخالف تھے کہ مذہبی لائنوں پر مذہبی نام سے کوئی ایسی جماعت بنائی جائے کیونکہ اس سے اسلام میں فرقہ بندی زیادہ ہوتی ہے لیکن تجربہ کے بعد آپ کو رائے تبدیل کرنی پڑی اس جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اس وقت روئے زمین پر کہیں بھی کوئی مسلمان موجود نہیں جو حقیقت میں مسلمان ہو۔ جماعت کے ارکان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ مودودی صاحب یا ان کے کسی خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد مسلمان سچا مسلمان بن سکتا ہے۔

مسلم لیگ نے قیام پاکستان کے واسطے جو جہاد کیا ہے آپ اس کے سخت مخالف تھے۔" جتنے بھی اسلامی بھائیوں سے تبادلہ خیالات کا موقع ملا سب کو قیام پاکستان کے خلاف پایا۔ اور اس اختلاف کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ لوگ جو پاکستان کی بنیاد ڈال رہے ہیں سچے مسلمان نہیں لیکن اب یہ پاکستان بن گیا تو مودودی صاحب اور آپ کی جماعت سب کی یہ خواہش ہے کہ اس کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیں۔

الٰہ جب ہے تو فوقِ بشر کا یہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

مودودی صاحب اور اسلامی عقائد

مودودی صاحب نے اپنی قیادت اور قیام جماعت کا جواز یہ تراشا تھا کہ اسلام کو چونکہ میرے سوا کوئی نہیں سمجھا اس لئے میں امیر جماعت اسلامی ہوں، اور وہ جو میرے اقتدار کو تسلیم کرتے ہیں دائرہ جماعت اسلامی میں داخل ہیں باقی لوگ اپنی جمعیت وجماعت کے سلسلے میں اسلام کا نام استعمال کریں تو انھیں حق نہیں پہنچتا۔ انھوں نے ۱۹۴۱ء سے سیاسی لیڈروں کو ادصاف دینی سے محروم ــــ اور سچا مسلمان ماننے سے انکار کیا۔" دعوت اسلامی اور اسکے مطالبات" میں آپ نے اس کا اظہار فرمایا ہے۔

" وقت کی چلی ہوئی تحریکوں اور انکی قیادتوں میں ایک بھی مسلمانوں کے مرض کا صحیح علاج نہیں اور نہ اسلام کے اصل منشا کو پورا کرنے والی ہے۔ محض جزوی طور پر مسلمانوں کے امراض کی ناکافی اور سطحی تشخیص کی گئی ہے۔ اور اسلام کے اصل تقاضوں کا بھی صحیح طور پر ادراک نہیں کیا گیا" (ص ۵۸-۵۹)

اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جماعت اسلامی اور اس کا قائد ہی مسلمانوں کے مرض کا صحیح علاج ہے۔ اور اسلام کے منشا کو جانتا ہے۔ یہ فیصلہ آج کا نہیں ۱۹۴۱ء کا ہے اور مودودی صاحب نے حالات وواقعات کے بدل جانے پر بھی اس میں ترمیم کو ضروری نہ سمجھا۔ انھوں نے اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی کہ جن مسلمانوں کو انھوں نے اسلام کے نام پر پاکستان کے خلاف اکسایا تھا۔ اور وہ جنھیں قائدین مسلم لیگ کو" اللہ کا باغی" ٹھہرا کر اپنا

موئد بنایا تھا۔ اب انکی غلطی ثابت ہونے پر کیوں کر حامی بنیئے۔ حیرت کا مقام ہے کہ پاکستان کے قائم ہونے پر بھی مودودی صاحب اسلام کی آڑ میں اپنا بین بجاتے رہے۔ اور لوگوں کو موجودہ قیادت کے خلاف بھڑکاتے رہے۔ چنانچہ دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات میں ارشاد ہوتا ہے :-

" ہماری دعوت کی طرح ہمارا طریق کار بھی دراصل قرآن اور انبیاء علیہم السلام کے طریقے سے ماخوذ ہے"

اس دعوے کے بعد کون مسلمان ہے جو مودودی صاحب کی دعوت کو اللہ کا فرمان اور حکم نہ سمجھے ــــ ہر ایک سادہ لوح کلمہ گو تو یہی سوچے گا کہ قرآن اور انبیاء علیہم السلام کے نام پر کون دھوکہ دے سکتا ہے ــــ مودودی صاحب یقیناً حق کی راہ پر گامزن ہوں گے، جو یوں اللہ کے نام پر ہماری قیادت فرمانے کے لئے تیار ہو گئے ہوں ــــ لیکن حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔ مودودی صاحب نے جس اسلام کا پرچار کیا۔ اور جن عقائد کی ترویج چاہی وہ قرآن حکیم اور انبیاء علیہم السلام کے طریقے سے مختلف بھی ہیں۔ اور متضاد بھی دراصل مودودی صاحب کو غرور علم و دانش نے وہ رویہ اور وتیرہ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ جس کی اجازت قرآن حکیم ہرگز نہیں دیتا، اور جو انبیاء علیہم السلام کے طریقے کے سراسر خلاف ہے۔ دعوت اسلامی سے آپ جسطرح حکومت کا تختہ الٹنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ وہ کہاں تک صحیح ہے۔ تعلیمات قرآن حکیم اور اسوۂ انبیا علیہم السلام سے اس کا کیا تعلق ہے۔ اس کا فیصلہ آپ خود کریں، ارشاد ہوتا ہے :-

" پھر ہمارا اپنی زندگی کو تناقضات سے پاک کر کے مسلم حنیف بننے کی کوشش کرنا لازمی طور پر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ

ہم اس نظام زندگی میں انقلاب چاہیں جو آج کفر دہریت و شرک
فسق و فجور اور بداخلاقی کی بنیادوں پر چل رہا ہے۔ اور جس کے،
نقشے بنانے والے مفکرین اور جس کا عملی انتظام کرنے والے مدبرین سب
کے سب خدا سے پھرے ہوئے اور اس کے شرائع کے قیود سے نکلے ہوئے
لوگ ہیں جب تک زمام کار ان لوگوں کے ہاتھ میں رہے گی۔ کسی
شخص کے لئے دنیا میں مسلمان کی زندگی بسر کرنا نہ صرف عملاً،
محال ہے بلکہ اپنی آئندہ نسلوں کو اعتقاداً بھی اسلام کا پیرو
چھوڑ جانا غیر ممکن ہے" (ص ۲۱ رسالہ دعوت اسلامی اور اسکے مطالبات)

یہ نقطہ نظر اختیار کرکے مودودی صاحب نے اسلام کی اجارہ داری
کا دعویٰ جس انداز میں کیا ہے وہ بھی انھیں قرآن و سنت کی رو سے صحیح ثابت
نہیں کرتی ۔ وہ کسی مسلمان کو اسکا حق نہیں دیتے کہ قرآن حکیم کا مطالعہ کرے اور
سنت رسول مقبول پر عمل پیرا ہو۔ بلکہ یہ حق انھوں نے صرف اپنے لئے محفوظ کرلیا ہے
تاکہ دوسروں کو اس راہ پر چلنے سے روک سکیں یہ برہمنی ذہنیت کہاں تک اسلامی
ہے۔ یہ بھی ہمارے سوچنے کی بات ہے۔ فرماتے ہیں :-

" عالم میں یہ ایک نرالا انداز فکر پیدا ہوا ہے کہ اسلام میں
"پریسٹ ہڈ" نہیں ہے قرآن و سنت اور شریعت پر کوئی "ملا" کا
اجارہ نہیں کہ بس وہی انکی تعبیر کرنے کا مجاز ہو۔ یہ باتیں وہ،
لوگ کہتے ہیں جو نہ قرآن و سنت کی زبان سے واقف ہیں نہ اسلامی
روایات پر جنکی نگاہ ہے۔ نہ اپنی زندگی کے چند روز بھی جنھوں
نے اسلام کی تحقیق و مطالعے میں صرف کئے ہیں۔

(ص ۱۱ رسالہ :۔ اسلامی دستور کی تدوین)

ملاحظہ فرمایا آپ نے ۔ جو مسلمان مودودی صاحب کے نظریہ اسلام کو
نہ مانے وہ قرآن وسنت کی زبان سے بے بہرہ ہے۔ وہ مفسد ہے اسکا نظام
تمدن فاسد ہے جسے صالحین کے ہاتھ میں آجانا چاہیئے۔ جہاد فی سبیل اللہ میں
لکھتے ہیں :-

"لہٰذا اس پارٹی کے لیئے حکومت کے اقتدار پر قبضہ کئے بغیر
کوئی چارہ نہیں ۔ کیونکہ مفسدانہ نظام تمدن ایک فاسد حکومت
کے بل پر ہی قائم ہوتا ہے۔ اور ایک صالح نظام تمدن اس وقت
تک کسی طرح قائم نہیں ہوسکتا جب تک کہ حکومت مفسدین سے مسلوب
ہو کر صالحین کے ہاتھ میں نہ آجائے (ص ۲۵)

آپ نے دیکھا کہ یہ مصلحین اسلام درحقیقت اسلام کو کس نظر سے دیکھتے
ہیں۔ یہ لوگ جو اسلام کے ٹھیکیدار بنتے ہیں، اپنے عقائد کے اعتبار سے کیا ہیں کیا
ان کے اسلام کا سرچشمہ قرآن حکیم ہے؟ کیا ان کے دلوں کی روشنی نور مصطفےٰ صلی اللہ
علیہ وسلم سے منعکس ہے کیا ان کا کردار اسوہ رسول مقبول کے مطابق ہے ؟

مودودی صاحب کے ایک زمانے کے دست راست مولانا امین احسن اصلاحی
نے چراغ راہ مارچ ۱۹۵۴ء میں ان کے بارے میں لکھا تھا۔

"کوئی سنگین مجسمہ ہوگا جو ایسے محسن انسانیت سے پورے جذبات
کے ساتھ محبت نہ کرے۔ اس سے خدا محبت کرتا ہے، اس کے فرشتے
محبت کرتے ہیں"

یہ "محسنِ انسانیت" مودودی صاحب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بزرگان
دین کو جن الفاظ سے یاد فرماتے ہیں وہ ملاحظہ ہوں :-

نقل کفر کفر نہ باشد

★ — سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم :۔

"حضور کی فراست اور بصیرت ناکام ہوئی۔ یعنی دجّال کے متعلق حضور کا اندیشہ صحیح نہ نکلا ۔۔۔ یہ کانا دجّال تو افسانے ہیں" (ترجمان القرآن جلد ۲۸ صہ ۳)

★ — صدیق اکبر امیر المومنین حضرت ابوبکرؓ :۔

"اسلام کا یہ نازک ترین مطالبہ ہے اور اتنا نازک ہے کہ ایک مرتبہ صدیق اکبرؓ جیسا نفیس اور سراپا للّٰہیت انسان بھی اس کو پورا کرنے سے چوک گیا۔ اور ایسی حرکت آپ سے سرزد ہوئی جو اسلام کی روح کے خلاف ہے" (ترجمان القرآن جلد ۲۸ صہ ۳)

★ — فاروق اعظم امیر المومنین حضرت عمرؓ :۔

"حضرت عمرؓ کے قلب سے وہ جذبۂ اکابر پرستی جو زمانۂ جاہلیت کی پیداوار تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک بھی پوری طرح محو نہ ہوا تھا، اور آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ابھر ہی آیا" (ترجمان القرآن جلد ۱۲ صـ۴)

★ — امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ :۔

"حضرت عثمانؓ جن پر اس کار عظیم کا بار رکھا گیا تھا، ان خصوصیات کے حامل نہ تھے، جو ان کے جلیل القدر پیشواؤں کو عطا ہوئی تھیں اس لئے جاہلیت اور نظام کفر کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ دیدیا" (تجدید و احیائے دین صـ۲۳)

★ — حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ :۔

"عمر بن عبدالعزیزؒ جیسا فرمانروا جس کی پشت پر تابعین اور

تبع تابعین کی ایک بڑی جماعت بھی تھی، اس معاملہ میں قطعی ناکام، ہوچکا ہے"

★ — حضرت امام غزالیؒ :۔

"ان میں تین نقص تھے، علم حدیث میں کمزور تھے، ان کے ذہن پر عقلیات کا غلبہ تھا، اور وہ تصوف کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل تھے۔ اور اپنے خیالات کی دنیا میں ان کا انہماک اس حد تک بڑھ رہا تھا کہ خود ان کے اور ان کے قریبی حلقہ میں بہت سے غیر اسلامی طریقے رائج تھے اور وہ انکی اصلاح پر توجہ کرنے سے معذور تھے" (تجدید و احیائے دین صـ۵۶)

★ — امام ربانی مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی :۔

"غالباً اس (تصوف) کے مرض کی شدت کا انکیں پورا اندازہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے ان بیماروں کو پھر وہی غذا دی جو اس مرض میں مہلک ہوچکی تھی" (تجدید احیائے دین صـ۴۲)

★ — شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی :۔

"شاہ عبدالعزیزؒ کے زمانے میں دہلی کا بادشاہ پنشن خوار بن گیا اور قریب قریب انگریز سارے ہندوستان میں جم چکے تھے۔ مگر ان کے ذہن میں انگریز کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے متعلق کچھ سمجھ نہ آتا تھا کہ کیوں بڑھ رہے ہیں"۔ (تجدید و احیائے دین صـ۴۸)

★ — حضرت سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ :

"جب وہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے اٹھے تو انھوں نے سارے انتظامات کئے مگر ایک غلطی ان سے ہوئی کہ اہل علم کی ایک

جماعت یورپ نہ بھیجی، جو وہاں کے علوم وفنون سے آگاہی حاصل کرتی"۔ (تجدید واحیائے دین ص۸۵)

"میں تو یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ ان دونوں بزرگوں (احمد سرہندی و شاہ ولی اللہ) کا اپنے مجدد ہونے کی خود تصریح کرنا اور بار بار کشف والہام کے حوالے سے اپنی باتوں کو پیش کرنا ان کے چند غلط کاموں میں سے ایک ہے اور انہی یہی غلطیاں ہیں جنھوں نے بعد کے بہت سے کم ظرفوں کو طرح طرح کے دعوے کرنے اور امت میں نئے فتنے اٹھانے کی جرأت دلائی"۔

(تجدید واحیائے دین ص۱۶۱)

یہ تو ہیں مودودی صاحب ــــ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدینؓ اور بزرگانِ سلف کے بارے میں محض ایک معمولی بات ــــ سمجھتے ہیں۔

احادیث کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"یہ دعوےٰ کرنا صحیح نہیں کہ بخاری میں جتنی احادیث ہیں، ان کے مضامین کو بھی جوں کا توں بلا تنقید قبول کر لینا چاہیئے"

(ترجمان القرآن منصب رسالت نمبر ص۱۲۹)

غور کیجیے صحیح بخاری کی احادیث کو بلا چون وچرا قبول کرنے کے لئے تیار نہیں لیکن وہ اپنے خانہ ساز اسلام کو بلا دلیل ــــ منوانے پر مصر ہیں، ورنہ دھمکی دیجاتی ہو کہ اقتدار مل لینے دو تم سے نمٹ لیں گے ـــ

ہم ان تحریروں پر کوئی تبصرہ مناسب نہیں سمجھتے کہ ان کا تعلق عقائد سے ہے ہمارا ایمان ہے کہ ایسی باتیں لکھنے کا حق کسی مسلمان کو حاصل نہیں کہ جن سے اپنے تفوق اور اسلام کے ان ستونوں کو پست کر دکھانے کی ذہنیت بے نقاب ہوتی ہو۔ یہ ہیں مودودی

صاحب کا طرہ امتیاز ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور وحی:۔

"ایک معلّم، ایک مربی، ایک مصلح اخلاق، ایک معمار تہذیب وتمدن، ایک قاضی، ایک مقنن، ایک مدبر، ایک سپہ سالار، ایک حکمران کی حیثیت سے آپ نے جتنا کام بھی کیا وہ سب، دراصل خدا کے رسول ہونے کی حیثیت میں آپ کا کام تھا۔ اس میں خدا کی وحی آپ کی رہنمائی اور نگرانی کرتی تھی اور کہیں ذرا سی چوک بھی ہو جاتی تو خدا کی وحی بروقت اسکی اصلاح کر دیتی تھی"

(ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۶۰ء ص۱۸۴)

حیات النبیؐ:۔

"اب آخر اس بحث کی حاجت ہی کیا ہے کہ نبی کریمؐ اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد کس معنی میں زندہ ہیں۔ برزخی وروحانی حیات ہو یا جسمانی حیات۔ بہرحال اس امر واقعہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آنحضرت کا سنہ ۱۱ھ میں وصال ہو چکا ہے۔ امّت کی ہدایت کے لئے آپؐ بہ نفسِ نفیس ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں۔ اور آپکا اتباع کرنے کے لئے ہمیں آپکی ذات اقدس کی طرف رجوع کرنے کے بجائے قرآن اور حدیث ہی کی طرف رجوع کرنا ہے۔ حیات برزخی یا حیات جسمانی کی بحث کا کوئی بھی فیصلہ ہو اس سے اس امر واقعہ میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا" (ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۵۹ء ص۱۸۵)

ارکانِ دین کی حرمت ملاحظہ ہو:۔

"صرف نماز اور روزہ، حج اور زکوٰۃ ہی دین نہیں ہیں بلکہ

مملکت کا قانون بھی دین ہے ۔ دین کو قائم کرنے کا مطلب صرف
نماز ہی قائم کرنا نہیں ہے ۔ بلکہ اللہ کا قانون اور نظام شریعت قائم
کرنا بھی ہے ۔ جہاں یہ چیز قائم نہ ہو وہاں نماز اگر قائم ہو بھی تو گویا ،
ادھورا دین قائم ہوا جہاں اسکو رد کرکے دوسرا کوئی قانون اختیار کیا
جائے وہاں کچھ اور نہیں خود دین اللہ رد کر دیا گیا ۔

(ص۲۲ اسلامی ریاست)

اپنے مقاصد کے لئے حکومت کا تختہ الٹنے کا نام جس صفائی سے "اسلامی
جہاد" رکھا گیا اس کا اندازہ فرمالیجئے ۔

" اسلامی جہاد بیک وقت جارحانہ بھی ہے اور مدافعانہ بھی،
جارحانہ اس لئے کہ مسلم پارٹی مسلک مخالف کی حکمرانی پر کرتی ہے
اور مدافعانہ اسلئے کہ وہ خود اپنے مسلک پر عامل ہونے کے
لئے حکومت کی طاقت حاصل کرنے پر مجبور رہے ۔"

(جہاد فی سبیل اللہ ص۳۳)

اسلامی سچائی :-

" دراصل میں نے اپنے ایک مضمون میں جو بات کہی ہے وہ
یہ نہیں ہے کہ " ایسے مواقع پر " جھوٹ جائز یا واجب ہے بلکہ
یہ ہے کہ جہاں سچائی کسی بڑے ظلم میں مددگار ہوتی ہے اور
اس ظلم کو دفع کرنے کے لئے خلاف واقعہ بات کہنے کے سوا چارہ
نہ ہو وہاں سچ بولنا گناہ ہوتا ہے ۔ اور ناگزیر ضرورت کی حد
تک خلاف واقعہ بات کہنا بعض حالات میں جائز اور بعض حالات
میں واجب ہوتا ہے (ترجمان القرآن منصب رسالت نمبر ص۲۳ حاشیہ میں)

سیاست اور ایمان :-

" اب آپ خود سمجھ لیں کہ نظام باطل کے تسلط کو برداشت
کرنا بھی جبکہ تقاضائے ایمان کے خلاف ہو تو اس پر راضی و
مطمئن رہنا اور اس کے قیام و بقا کی سعی میں حصہ لینا یا ایک
نظام باطل کی جگہ دوسرے نظام باطل کو سرفراز کرنے کی کوشش
کرنا ایمان کے ساتھ کیسے میل کھا سکتا ہے ۔"

(رسالہ دعوت اسلام اور اسکے مطالبات ص۲۰)

اسلامی رواداری :-

"رواداری" کے موجودہ تصور کو جن لوگوں نے معیار حق،
سمجھ رکھا ہے، وہ بڑے فخر کے ساتھ بادشاہوں کے
یہ کارنامے داد طلبی کے لئے غیر مسلموں کے سامنے پیش کرسکتے
ہیں کہ فلاں مسلمان بادشاہ نے غیر مسلم معبدوں اور مدرسوں،
کے لئے اتنی جائدادیں وقف کیں ۔ اور فلاں کے دور میں ھر
مذہب و ملت کے لوگوں کو اپنے اپنے دین کے پرچار کی پوری
آزادی حاصل تھی ۔ مگر اسلامی نقطہ نظر سے یہ سب کارنامے
ان بادشاہوں کے جرائم کی فہرست میں لکھے جانے کے قابل
ھیں ۔" (رسالہ "مرتد کی سزا ص۳۹)

اسلام اور انتخابات :-

" امارت یا مجلس شوریٰ کی رکنیت ۔ یا کسی ذمہ داری
کے منصب کے لئے کوئی ایسا شخص منتخب نہ کیا جائے گا جو خود
اس کا امید وار ہو یا کسی طور پر اسکے لئے کوشش کرے ۔

اسلام میں امیدواری (CANDIDATURES) اور انتخابی پروپیگنڈے کی کوئی گنجائش نہیں۔

(رسالہ اسلام کا نظریۂ سیاسی ص ۴۷)

اسلام میں انتخابات ناجائز لیکن جماعت اسلامی کے لئے جائز:-

"جماعت اسلامی نے ۵۰-۱۹۵۱ء کے انتخابات کے موقع پر ایک پالیسی کا اعلان کیا تھا۔ اور وہ یہ تھی کہ امیدواری چونکہ اسلام میں ناجائز ہے اسلئے ہم نہ خود امیدوار بن کر کھڑے ہوں گے نہ کسی امیدوار کو ووٹ دیں گے بعد میں تجربات سے ہم کو معلوم ہوا کہ ہم ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ ہر ضمنی اور عام انتخابات میں پورے ملک کی ہر نشست کے لئے اپنے معیار مطلوب کے مطابق موزوں امیدوار کھڑے کر سکیں — اس بنا پر ہم نے سابقہ پالیسی میں یہ تغیر کر دیا کہ ہم خود تو امیدوار بن کر کھڑے ہونے سے بدستور مجتنب رہیں گے لیکن فاسد عناصر کے شر کو رفع کرنے اور ان کے مقابلے میں نسبتاً صالح اور اسلامی نظام کے حامی عناصر کو آگے بڑھانے کے لئے جن امیدواروں کی تائید ناگزیر محسوس ہوگی انہیں ووٹ دیں گے بھی اور دلوائیں گے بھی" (ترجمان القرآن مئی ۱۹۵۸ء ص ۱۲۳)

جہاد اور عبادات:-

"اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جس دل میں جہاد کی نیت نہ ہو۔ اور جس کے پیش نظر جہاد کا مقصد نہ ہو اسکی ساری عبادت بے معنی ہے ان بے معنی عبادات گذاریوں سے اگر تم گمان رکھتے ہو کہ خدا کا تقرب نصیب ہوتا ہے تو خدا کے ہاں جا کر تم خود دیکھ لوگے کہ انھوں نے

تم کو اس سے کتنا قریب کیا"

(عنوان: حقیقت جہاد خطبات پندرھواں ایڈیشن ص ۳۵۲)

دین اور حکومت:-

"دین دراصل حکومت کا نام ہے۔ شریعت اس حکومت کا قانون ہے۔ اور عبادت اس کے قانون اور ضابطے کی پابندی ہے، آپ جس کسی کو حاکم مان کر اسکی محکومی قبول کرتے ہیں۔ دراصل آپ اس کے دین میں داخل ہوتے ہیں۔ اگر آپ کا حاکم اللہ ہے، تو آپ دین اللہ میں داخل ہوئے۔ اگر وہ کوئی بادشاہ ہے تو آپ دین بادشاہ میں داخل ہوئے۔ اور اگر وہ کوئی خاص قوم ہے تو آپ اس قوم کے دین میں داخل ہوئے اور اگر وہ خود آپ کی اپنی قوم یا آپکے وطن کے جمہور ہیں تو آپ دین جمہور میں داخل ہوئے۔ غرض جس کی اطاعت کا قلادہ آپکی گردن میں ہے۔ فی الواقع اس کے دین میں آپ ہیں۔ اور جس کے قانون پر آپ عمل کر رہے ہیں دراصل اسی کی عبادت کر رہے ہیں —

(ص ۳۵۴ عنوان: جہاد کی اہمیت، خطبات ۱۵ واں ایڈیشن)

دین اسلام، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگان دین کے بارے میں مودودی صاحب کے عقائد و خیالات بلا تبصرہ پیش کئے گئے ہیں، تاکہ قارئین ہمارے انداز فکر سے متاثر ہوئے بغیر اپنی رائے خود قائم کریں۔ مودودی صاحب نے اپنی تفسیر کلام پاک میں متعدد آیات و الفاظ کے مطالب میں جو تحریفات اور تصرفات روا رکھے — ہیں ان کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں بعض حضرات نے قلم اٹھایا ہے اور بعض کی کاوشیں ہنوز جاری ہیں۔ چنانچہ

ہم اس سے اجتناب کرتے ہیں۔

دین کے متعلق مودودی صاحب نے اپنے جس عقیدہ کا اظہار فرمایا ہے وہ قابل غور ہے انکے نزدیک دین دراصل حکومت کا نام ہے جسکے لئے وہ کوشاں ہیں اور شریعت انکی اپنی حکومت کے قانون کا نام ہے اور عبادت اس قانون اور ضابطے کی پابندی کا نام ہے جو وہ نافذ کریں۔ اس کے بغیر نہ دین دین ہے نہ شریعت، شریعت ہے، نہ عبادت عبادت ہے۔ لہٰذا جب تک مودودی صاحب کے ہاتھ حکومت نہیں آتی، خدا کی حاکمیت قائم نہیں ہو سکتی نہ عوام کا حاکم اللہ ہو سکتا ہے۔ (نعوذ باللہ) دوسرے الفاظ میں انکے عقیدے کی رو سے مسلمان قوم کی حکومت ہو یا جمہور مسلمین کی اسکے ذریعہ حکومت الٰہیہ قائم ہو سکتی ہے نہ شریعت نہ عبادت بلکہ قیام مودودیت ہی بنائے حکومت الٰہیہ اور قیام دین ہے۔ چنانچہ وہ صاف الفاظ میں کہتے ہیں اگر آپ کا حاکم کوئی بادشاہ ہے تو آپ دین بادشاہ میں داخل ہوئے اگر وہ کوئی خاص قوم ہے تو آپ اس قوم کے دین میں داخل ہو گئے اور اگر وہ خود آپ کی اپنی قوم یا آپ کے وطن کے جمہور ہیں تو آپ دین جمہور میں داخل ہوئے غرض جسکی اطاعت کا قلادہ آپ کی گردن میں ہے فی الواقعی اس کے دین میں آپ ہیں اور جس کے قانون پر آپ عمل کر رہے ہیں دراصل اسی کی عبادت کر رہے ہیں۔

غالباً یہی وہ عقیدہ ہے جسکی بنا پر مودودی صاحب صرف پاکستان ہی کے نہیں دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کو بے دین سمجھتے ہیں اور سرزمین پاک میں جسے وہ ناپاک قرار دے چکے ہیں حکومت واقتدار حاصل کرکے موجودہ دین کو دین مودودی سے بدلنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانا ضروری قرار دیتے ہیں اور صاف صاف کہتے ہیں جب تک زمام کار ان لوگوں کے ہاتھ میں رہے گی کسی شخص کے لئے دنیا میں مسلمان کی زندگی بسر کرنا نہ صرف عملاً

محال ہے بلکہ اپنی آئندہ نسلوں کو اعتقاداً بھی اسلام کا پیرو چھوڑ جانا غیر ممکن ہے۔ وہ اپنے اس ایقان کا اظہار کرتے ہیں۔ "دین کو قائم کرنے کا مطلب صرف نماز ہی قائم کرنا نہیں"۔

"اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جس دل میں جہاد کی نیت نہ ہو اور جس کے پیش نظر جہاد کا مقصد نہ ہو اسکی ساری عبادتیں بے معنی ہیں ان بے معنی عبادت گزاریوں سے اگر تم گمان رکھتے ہو کہ خدا کا تقرب نصیب ہوتا ہے تو خدا کے ہاں جاکر خود دیکھ لوگے کہ انھوں نے تم کو اس سے کتنا قریب کیا"۔ اسلئے وہ بار بار اعلان کرتے ہیں۔

"اب کوئی چارہ کار اس کے سوا باقی نہیں ہے کہ ہم اپنے متولیوں کو بدل دیں"۔ اور فرماتے ہیں۔

"میں صاف کہتا ہوں کہ موجودہ زمانے کی لادینی قومی جمہوریت تمہارے دین وایمان کے قطعاً خلاف ہے۔ تم اس کے آگے سر تسلیم خم کروگے تو قرآن سے منہ پھیر دگے اس کے قیام میں حصہ لوگے تو اپنے رسول سے غداری کروگے اور اسکا جھنڈا اڑانے کی کوشش کروگے تو اپنے خدا کے خلاف علم بغاوت بلند کروگے جس اسلام کے نام پر تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو اسکی روح اس ناپاک نظام کی روح سے اس کے بنیادی اصول، اسکے بنیادی اصولوں سے اور اسکا ہر جزا سکے ہر جز سے برسر جنگ ہے"

اسلئے عوام کو دعوت دیتے ہیں کہ مودودیت قائم کرو، موجودہ دین کو دین مودودی سے بدل دو تاکہ حکومت الٰہیہ قائم ہو۔ اللہ محفوظ رکھے تمام مسلمانوں کو عموماً اور پاکستانیوں کو خصوصاً اس فتنۂ عظیم سے جو مودودیت کی صورت میں رونما ہوا ہے۔

آخر میں اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ مودودی صاحب کو اور ان کے رفقا کو حقیقی دین کے شعور وفہم کی توفیق عطا فرمائے، انکی نگاہوں کو عشق نبیٔ کریم

صلی اللہ علیہ وسلم سے روشن کرے، جسکے بغیر نہ قرآن کریم سمجھ میں آسکتا ہے
اور نہ سچا تصور دین ابھر سکتا ہے۔ رب کریم انکے اظہار و بیان کی صلاحیتوں
کو ملک و قوم کے بہتر مصرف کے لئے استعمال کرنے کی ترغیب دے تاکہ عامۃ المسلمین
اس فتنے سے محفوظ ہو جائیں جو انھوں نے دین اور قرآن حکیم کے نام پر گذشتہ
ربع صدی سے پھیلا رکھا ہے۔

آمین ــ ثم آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

التماس

ادارۂ اہل قلم پاکستان کا مطمح نظر کتاب کی اشاعت سے
کسی خاص نہج کے نتائج فکر کی تبلیغ واشاعت یا ان کی وکالت نہیں۔
کسی اہل قلم کی پیشکش، اس کی تحقیق وتدقیق اور غور وفکر کہاں تک
حقیقت کی نقاب کشائی کرنے میں کامیاب رہی اس کا فیصلہ خود
قارئین فرمائیں گے۔ اگر کوئی اہل قلم اس سے مختلف نتائج فکر اور
حقائق پیش فرمانا چاہیں جو اس کتاب میں پیش کئے گئے ہیں تو ادارہ
اس کا بھی خیر مقدم کرے گا۔

(ادارۂ اہل قلم)